تعلیم الایمان

تقدیر پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟

مصنف
عبداللہ صدیقی
(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی
حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی
(صاحبزادہ وخلیفہ مجاز حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحبؒ
صدمدرسہ بورڈ آندھرا وتلنگانہ، سرپرست مجلس تحفظ ختم نبوت آندھرا وتلنگانہ)

ناشر
عظیم بک ڈپو، جامع مسجد دیوبند
یوپی، انڈیا۔

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ تقدیر پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی

سنہ طباعت:۔ ۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۷ھ

تعداد اشاعت:۔ پانچ سو (500)

کمپیوٹر کتابت:۔ محمد کلیم الدین سلمان قاسمی، حیدرآباد۔ 9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

☆☆ ملنے کے پتے ☆☆

فہرست مضامین

اسلامی تعلیمات میں ایمانی عقیدہ کی اہمیت	7	اسباب سے نفع ونقصان سمجھنے والے مسلمان	44
تقدیر کی ظاہری باتوں کا سرسری مطالعہ	9	حالات کو امتحان سمجھنے نہ سمجھنے کے نظریات	50
تقدیر اللہ کا علم قدیم ہے	10	تقدیر پر مؤمن اور غیر مؤمن کی نظر	52
تقدیر کو آسانی سے سمجھنے کی مثالیں	12	تقدیر پر مؤمن اور منافق کی سوچ	54
تقدیر پر ایمان رکھنے کا طریقہ	14	ایمان بالقدر سے انسان شرک سے بچتا ہے	56
تقدیر کو سمجھنے سے انسانی عقل مجبور ہے	16	ایمان بالقدر سے توحید میں جان آتی ہے	60
تقدیر کو ایمانیات میں کیوں رکھا گیا؟	17	ایمان بالقدر سے عقل گمراہ نہیں ہوتی	62
دنیا کے کاموں میں اللہ کی حکمت ومصلحت	19	تقدیر سے کن چیزوں کی تربیت کی جارہی ہے	65
دنیا امتحان کی جگہ ہے	22	تقدیر کا صحیح تصور اور گمراہ کن تصور	68
اللہ کسی کو گمراہ پیدا نہیں کرتا	25	اسلامی تعلیمات میں توکل کی حقیقت	72
تقدیر کی بنیاد پر جنت اور دوزخ نہیں دیتا	26	بعض لوگ تقدیر کے خلاف انسان کو عمل	
اللہ کا ہر کام تقدیر کے مطابق ہے	29	میں آزاد ومختار سمجھتے ہیں	74
اللہ زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کرتا	31	تقدیر کے غلط تصور سے انسان اپنے آپ کو	
دنیا کے کاروبار میں تقدیر کا بہانہ نہیں بنایا جاتا	33	مجبور اور محتاج سمجھتا ہے	77
عبادت واطاعت میں تقدیر کا عذر نہ کریں	34	انسان کن اعمال میں مجبور اور کن میں آزاد؟	81
تقدیر پر آخرت کی تیاری ترک نہ کریں	37	اللہ انسان کے ارادہ کے مطابق مدد کرتا ہے	88
تقدیر پر ایمان سے صبر پیدا ہوتا ہے	38	تمام مخلوقات اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کام	
نفع ونقصان تقدیر کے تحت ہوتا ہے	39	نہیں کرسکتیں	91
مشرکین اسباب کو نافع وضار سمجھتے ہیں	41	خیر اور شر کی حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں	94

☆☆☆☆☆
☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ: ازحضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی مدظلہ العالی

آدمی کے لئے بحیثیت مؤمن و مسلم جن چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے ان میں ایک اہم چیز تقدیر بھی ہے، یعنی جو کچھ بھی ہوا، ہورہا ہے اور ہوگا اس کو پہلے ہی سے متعین کردیا گیا ہے، لکھ دیا گیا ہے کہ ایسا ہوگا، فلاں فلاں یہ یہ کریں گے۔

جیسے کہ قرآن میں آیا: و خلق کل شیء فقدرهٗ تقدیراً یعنی اللہ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا، پھر ہر ایک کے لئے ایک اندازہ کو مقرر کیا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انا کل شیء خلقناہ بقدرٍ یعنی ہم نے تمام چیزوں کو اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے، ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے: لا یؤمن احدکم حتی یؤمن بالقدر (صحاح) یعنی کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، کہ خیر و شر کی تخلیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، ان آیاتِ قرآنی اور ارشاد نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر پر ایمان ضروری ہے۔

لیکن مسئلہ تقدیر ایسے مسائل میں سے ہے جو ہر آدمی کو بآسانی سمجھ میں نہیں آتے، دین اسلام کی ہر بات معقول ہے لیکن ہر آدمی کی عقل میں آجائے ضروری نہیں، جیسے مغیبات پر ایمان ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے، چونکہ مسئلہ تقدیر کا بھی عام لوگوں کو سمجھنا دشوار تھا اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے: اِذا ذُکر القدر فامسکوا یعنی جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو تم خاموش ہوجاؤ، اور جو اس کے اہل ہیں ان سے فرمایا گیا: لاتکلموا فی القدر فانہ سرُّ اللّٰہ فلا تفشوا اللّٰہ سرَّہ یعنی تقدیر میں گفتگو نہ کیا کرو! کیونکہ وہ اللہ کا ایک راز ہے، پھر اللہ کے راز کا افشاء نہ کرو، اسی لئے اس مسئلہ پر اہل علم نے کلام بہت کم کیا ہے۔

زیر نظر کتاب جو عبداللہ صدیقی صاحب (تربیت یافتہ حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمٰن صاحب قاسمی) نے مرتب کی ہے وہ دراصل مسئلہ تقدیر کیا ہے سمجھانے کے لئے نہیں مرتب کی ہے؛ بلکہ تقدیر کے بہانے جو لوگ اعمال سے جی چراتے ہیں، برائیوں کا ارتکاب کر کے تقدیر کا حوالہ دے کر اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، گناہوں کو کر کے یوں کہتے پھرتے کہ تقدیر میں تھا اس لئے کیا، اس لئے سزا نہیں دی جانی چاہئے، اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہیں۔۔۔۔۔ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے اسباب و وسائل ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں، فرائض و واجباتِ زندگی کی ادائیگی کی طرف بلایا جائے تو یہ کہہ کر روکھا سا جواب دے دیتے ہیں کہ تقدیر میں ہوگا تو کریں گے وغیرہ، اس

قسم کے بہانے کرنے والوں یا غلط فہمی میں مبتلا لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے یہ کتاب مرتب کی گئی۔...... چنانچہ عہدِ نبوی ﷺ میں بعض لوگوں نے پوچھا تھا کہ: جو جھاڑ پھونک یا دعا ہم کرتے ہیں یا جو دوائیں استعمال کرتے ہیں کیا یہ اللہ کی تقدیر کو پھیر سکتی ہیں؟ تو فرمایا: یہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے، (ترمذی، ابن ماجہ) گویا اس حدیث میں تقدیر کے بہانے دعا و دوا کو ترک کرنے کے بجائے دعا اور دوا کرنے کی تعلیم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں تو تقدیر کے بہانے ترکِ عمل کے مقابلہ میں عمل کرنے کی صریح تلقین اور حکم پایا جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! جس کام میں ہم لگے ہوئے ہیں کیا یہ کام پہلے ہی طے ہو چکا ہے یا ہم ہی اس کو شروع کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے ہی سے طے ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو کیا پھر ہمیں بھروسہ نہیں کر لینا چاہئے اور عمل نہیں چھوڑ دینا چاہئے؟ یعنی پھر عمل و کوشش سے کیا فائدہ؟ نبی ﷺ نے فرمایا: کام کئے جاؤ! ہر آدمی کیلئے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب عمل کرنا اچھا لگے گا۔

بہر حال موجودہ دور میں خصوصاً ایمانیات میں بڑی کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور جب ایمانیات میں کمزوری آتی ہے تو پھر زندگی کے ہر شعبہ میں دینی نقطۂ نظر سے زوال آنے لگتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ایمانیات کی خوب افہام و تفہیم ہو، الحمد للہ اس سلسلہ میں محترم عبداللہ صدیقی صاحب کو اللہ نے یہ خاص ذوق عطا فرمایا ہے، اور سہل انداز میں اس کو سمجھانے کی قابل قدر کوشش انہوں نے کی ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلۂ ایمانیات کی ایک اہم کڑی ہے اور ایمان بالقدر پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے، ہمارے بڑوں نے تقدیر کے سلسلہ میں ایک مختصر سی بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ تقدیر دراصل ازلی علم الٰہی کا نام ہے، اور کون کیا کرے گا یہ لکھ دیا گیا ہے، جیسے جاننے والا استاذ پہلے بتلا دیتا ہے کہ یہ طالب علم کامیاب ہوگا یا ناکام، یا جیسے استاد بتلا دیتا ہے کہ کشتی یہ جیتے گا یہ ہارے گا، یا ڈاکٹر بتلا دیتا ہے یہ چند دنوں کا مہمان ہے، یہ استاذ اور ڈاکٹر کا کمال ہے اور ناکام ہونے کا تعلق شاگرد یا مریض کی ان کی اپنی حالت سے ہے، لیکن ہم کو یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ کس کے لئے کیا لکھا ہے، ہم کو تو احکام دئے گئے ہیں اور ان احکام کی بجا آوری کا اختیار ہم کو حاصل ہے، اسی اختیار کے صحیح یا غلط استعمال کرنے کا انسان سے امتحان ہے، اسی اختیار کے درست یا نادرست استعمال پر جزاء یا سزاء کا ترتّب ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات   مؤمن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

اللہ تعالیٰ مرتبِ کتاب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور سب کے لئے نافع بنائے، آمین۔

والسلام: محمد جمال الرحمٰن مفتاحی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم o

اٰمَنتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۔ (مشکوٰۃ)

ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر۔

تقدیر پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟

وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ o ﴿یونس:٦١﴾

ترجمہ:۔ زمین و آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی ایسی نہیں جو آپ کے رب سے چھپی ہوئی ہو، اور ذرہ سے بھی چھوٹی یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج نہ ہو۔

اسلامی تعلیمات میں ایمانی عقیدہ کی اہمیت

اسلامی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، کتابوں پر ایمان، پیغمبروں پر ایمان، آخرت پر ایمان اور تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر ایمان، مکمل عقیدۂ ایمان کہلاتا ہے، یہ اسلام کی بنیاد ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا لازمی اور ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا لازمی اور ضروری ہے، اس کا انکار کرنے والا انسان مسلمان باقی نہیں رہتا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انسانی صورت میں بھیج کر حدیث جبرئیلؑ جس کو حدیثوں کی ماں (ام الاحادیث) کہتے ہیں اس کی تعلیم دی، تقدیر دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا اظہار ہے، جو اسلامی تعلیمات میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، اسلامی تعلیمات انہی لوگوں کو فائدہ دے سکتی ہیں جو اس کے بنیادی عقائد پر ایمان لاکر ان کو اپنے دل میں جذب کرلیں، ان کو شعوری انداز پر سمجھنے کے لئے اپنے ذہن کے دروازے کھلے رکھیں، جو لوگ اپنے علم اور معلومات کو رٹ کر حواس خمسہ ہی تک محدود رکھیں وہ نہ صحیح ایمان حاصل کرسکتے ہیں اور نہ اسلامی تعلیمات سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

☆ اسلام نے انسانوں کو بنیادی تعلیمات میں کوئی فلسفیانہ عقیدۂ ایمان نہیں دیا، اس کا ہر جزو اور ہر حصہ انسان کی سمجھ میں آسانی سے آسکتا ہے، انسان زندگی کے تمام کاموں میں ایمان کے ہر جزو کا محتاج اور ضرورت مند ہے، اسلام نے بڑی حکمت اور دانائی کے ساتھ انسانوں کو کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے اور ایمان بالکتب اور ایمان بالرسالت پر عمل کرنے سے جو بھی اچھے بُرے حالات آئیں انہیں تقدیر پر اعتماد کرکے قوت حاصل کرنے، برداشت اور صبر کرنے، اعتدال میں رہنے کے قابل بنایا، تقدیر پر ایمان کے ذریعہ ایمان باللہ میں مضبوطی اور پختگی پیدا کی گئی۔

☆ ایمان کے تمام اجزاء انسان کی پوری زندگی میں انقلاب پیدا کردیتے ہیں اور

انسان کو اللہ کا صحیح بندہ بنائے رکھتے ہیں، انسان انہی کے ذریعہ دنیا میں کامیاب زندگی گذار سکتا ہے، اسلام انسانوں کو اللہ کے ساتھ ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں خالص ایمان کی تعلیم دیتا ہے اور انسان میں رتی برابر بھی شرک کو داخل ہونے نہیں دیتا، تقدیر پر صحیح ایمان سے انسان کی زندگی کے تمام اعمال کا رخ اللہ کی طرف بنا رہتا ہے اور انسان کا ایمان باللہ طاقتور، مضبوط اور پختہ بنا رہتا ہے۔

☆ اسلامی عقیدۂ ایمان مؤمن کے لئے بہت بڑا سہارا اور مضبوط رسّی ہے، اسی کے بل بوتے انسان زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے، غیر مسلم کے پاس عقیدۂ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوئی مضبوط سہارا ہی نہیں رہتا، وہ ہر شعبہ میں ناکام زندگی گذارتا ہے، انسان کو دنیا میں زندگی گذارنے کے لئے ایک مضبوط عقیدہ چاہئے، اسی سے وہ سہارا حاصل کرتا ہے۔

☆ جس طرح ایک بیوی کو یہ احساس رہتا ہے کہ اس کا کفیل اس کا شوہر ہے، اولاد کو یہ احساس رہتا ہے کہ ان کے کفیل ماں باپ ہیں، اسی طرح مومن کو یہ احساس اور تصور رہتا ہے کہ اللہ ہی ان کا حقیقی کفیل اور مالک ہے، (مثال رہبری کے لئے ہے برابری کے لئے نہیں) اور یہ احساس ان کو عقیدۂ ایمان سے ملتا ہے اور اللہ نے عقیدۂ ایمان کے سات جزو دے کر انسان کو اپنے اوپر ایمان کو مضبوط کرنے کا موقع عطا فرمایا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی نبی ﷺ کے طریقوں پر ہوتی ہے اور جواب دہی کا احساس رہتا ہے اور اس اطاعت و بندگی کے امتحان میں تقدیر کے منفی اور مثبت حالات پر اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رہتا ہے۔

مخلوقات میں غور و فکر کروا کر اللہ تعالیٰ کی پہچان سے ایمان پیدا کیجئے! اور بچپن سے بچوں کو کائنات میں غور و فکر کا عادی بنانے کے لئے ہماری کتاب ''تعلیم الایمان'' کے تمام حصے خود بھی ضرور پڑھئے اور بچوں کو بھی پڑھائیے، صرف مسائل جاننے سے ایمان پیدا نہیں ہوتا۔

تقدیر کی چند ظاہری باتوں کا سرسری مطالعہ

تقدیر کے عنوان پر گہرائی میں گئے بغیر اس کی چند ظاہری پہلوؤں پر بات سمجھائی جائے گی؛ تا کہ ہم تقدیر کے ظاہری پہلوؤں کو ذہن میں رکھ کر اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں اور اس عقیدہ سے فائدہ اٹھا سکیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر پر ایمان لائے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی، تقدیر ایمان کے جزو میں سے ایک اہم جزو ہے۔

تقدیر کے معنیٰ کیا ہے؟

تقدیر کے معنیٰ اندازہ کے ہیں، یہ لفظ قرآن وحدیث میں لفظ ''قدر'' سے استعمال ہوا ہے، قدر کے لفظی معنیٰ ہیں کسی چیز کی قدر و قیمت، جب یہ لفظ بطور فعل آئے گا تو اس کے معنیٰ ہوں گے کسی چیز کی قدر و قیمت مقرر کرنا، کسی چیز کا اندازہ مقرر کرنا بھی قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز مقصد کے تحت پیدا فرمائی ہے:

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی چیزوں کو بے جانے بوجھے یوں ہی پیدا نہیں کیا؛ بلکہ ہر چیز منصوبہ اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے علم سے پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اللہ تعالیٰ کا علم اس کو ہر آن گھیرے ہوئے ہے، وہ دنیا کے حکمرانوں کی طرح اپنی مملکت کی چیزوں سے ناواقف نہیں ہے، اگر وہ خالق ہونے کی حیثیت سے اپنی مخلوقات کی ابتداء سے انتہاء تک علم نہ رکھے تو اس کی خدائی ناقص ہو جاتی اور کائنات فساد کے حوالے ہو جاتی تھی، پوری کائنات کا نظم وضبط تقدیر ہی کے ذریعہ قائم کیا گیا۔

آسمان اور زمین بنانے سے پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر لکھی گئی:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم) تقدیریں لکھ دیں سے مراد مقرر اور طے کر دی گئیں، اللہ کو ہماری طرح قلم و کاغذ لے کر لکھنے کی ضرورت نہیں۔

تقدیر اللہ کا علم قدیم ہے وہ علیم ہے

تقدیر کا سارا علم کتاب مبین میں محفوظ ہے، لفظ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا علمِ قدیم ہے، اللہ کا علم اور اللہ کی معلومات انسانوں جیسی نہیں، یہ اللہ کا ذاتی علم ہے، ہمیشہ سے ہے، وہ لامحدود علم رکھتا ہے، اس کو کسی نے علم عطا نہیں کیا، یہ علم گویا اس کی معلومات اور کائنات کا منصوبہ ہے، اس کے علم کو کوئی نہیں سمجھ سکتا، مخلوقات کا علم محدود اور ناقص ہوتا ہے اور ذاتی نہیں ہوتا، اللہ کا عطا کردہ ہوتا ہے، مخلوقات خود ہی نہیں جانتے کہ وہ آئندہ کیا کرنے والے ہیں، انسان اللہ کو اپنی طرح مختصر اور محدود علم والا نہ سمجھے، ان کے علم میں اور اللہ کے علم میں کسی قسم کی کوئی مثال اور کوئی برابری یا تقابل ہی نہیں۔

انسان بغیر دماغ، ذہن، کتاب اور استاد کے علم حاصل ہی نہیں کرسکتا، بغیر کسی بتانے والے کے وہ جان ہی نہیں سکتا، مگر اللہ کو بغیر کسی واسطے اور بغیر کسی علم دینے والے کے خود سے ذاتی علم ہے، جس میں ہر مخلوق کا پورا حال معلوم ہے، وہ ہر مخلوق کا ان کی شروع سے آخر تک، پیدائش سے موت تک اور موت کے بعد کا بھی کامل و مکمل علم رکھتا ہے، انسانوں اور جنات کا دنیا کی زندگی کے بعد آخرت کا بھی مکمل علم رکھتا ہے، اس کے علم میں کچھ بھی غلطی اور بھول نہیں، اس کو یہ علم ہونا لازمی اور ضروری تھا، اگر اللہ علم نہ رکھے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہوجاتا، اس میں فساد ہی فساد ہوتا رہتا، مخلوقات کی پرورش اور نگرانی نہیں ہوسکتی تھی، اس کا علم کامل ہے ناقص نہیں، اور ہر چیز کو ہر اعتبار سے گھیرے ہوئے ہے، اسی علم کی بنیاد پر کائنات کا پورا نظام نظم وضبط کے ساتھ چل رہا ہے، وہ اپنے علم سے جس جس مخلوق کو جس وقت پیدا ہونا ہے، جن جن حالات سے گذرنا ہے، زندہ رہنے تک جو جو ذمہ داریاں ادا کرنا ہے ان کو وہ توفیق اسی تقدیر کے علم سے دیتا رہتا ہے اور کون کب تک دنیا میں رہے گا، کیا کیا کرے گا، ان کا انجام اچھا ہوگا یا بُرا وہ سب جانتا ہے۔

☆ اگر وہ انسان یا مخلوقات کے عمل کرنے کے بعد جانے تو اس کے علم اور مخلوقات

کے علم میں فرق باقی نہیں رہتا اور اگر وہ مخلوقات کے عمل کرنے کے بعد جانے تو یہ کمال کی بات نہیں، کمال تو یہ ہے کہ خالق ہونے کی حیثیت سے مخلوق کے عمل کرنے سے پہلے وہ جانے کہ وہ کیا کیا کرنے والا ہے، کونسے راستہ پر چلنے والا ہے، اس کی موت کہاں اور کن حالات میں کیسے ہونے والی ہے، اس کا انجام کیا ہونے والا ہے، خالق کو اپنی چیز بنانے اور ان کے کاموں اور انجام کا پورا پورا علم شروع سے آخر تک ہونا ضروری ہے، اگر علم نہ ہو تو وہ علیم نہیں کہلا سکتا، مخلوق کی طرح ہو جائے گا، مجبور ومحتاج ہو جائے گا، جس طرح آئینہ انسان کا پورا پورا عکس پیش کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا آئینہ ہر مخلوق کا ابتداء سے انتہاء تک کا پورا نقشہ پیش کرتا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں ساری چیزوں کے کام اور نتائج اور کاموں کا انجام سب کچھ ہے، بلوں میں رہنے والی چونٹیوں اور خلاؤں میں گردش کرنے والے سیاروں تک کا علم بھی اللہ کے پاس ہے، سب اس کی نگاہ کے سامنے ہیں، سورۂ سباء(۲):یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِیْ الْأَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا۔ جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے وہ سب جانتا ہے۔

☆ اس کو اپنی مخلوقات کے بارے میں جاننے کے لئے کسی درمیانی واسطے کی ضرورت نہیں ہے، انسانی حکمران ناقص علم رکھنے کی وجہ سے صحیح معلومات نہیں رکھتے اور ہر چیز کا علم نہیں رکھ سکتے، جیسے یہ تک نہیں معلوم رہتا ہے کہ اس کے محل میں کون باغی ہے، دل میں کیا خیالات اور جذبات رکھتا ہے، اور کیا پروگرام بنا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ایسا نہیں، کسی بھی مخلوق کی کوئی بھی حرکت اس کے علم سے باہر نہیں، اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے محیط ہے، وہ تو اپنی مخلوقات کے ان حالات اور اعمال سے بھی واقفیت رکھتا ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئے، وہ ہر انسان کے اچھے بُرے اعمال کو وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ کونسا انسان کیا کیا کرنے والا ہے اور ان کا انجام کیا ہونے والا ہے، کوئی بھی انسان

اپنی تقدیر کو نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کیسے گذرے گی؟ کہاں اور کس حال میں اس کی موت آنے والی ہے؟ مگر ہر انسان کا اللہ تعالیٰ کو یہ سب علم پہلے سے ہے، اللہ تعالیٰ کے سواء کسی دوسرے کو یہ علم ہے ہی نہیں، اور نہ کوئی ایسی قدرت رکھتا ہے، وہ بحیثیت علیم ہر ایک کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے، اگر کوئی تقدیر کا انکار کرے تو وہ اللہ کے علیم ہونے کو نہیں مان رہا ہے، اور صفت علیم کا انکار کر رہا ہے۔

کائنات میں جو کچھ بھی ہوگا وہ علم الٰہی کے مطابق ہی ہوگا، جب اللہ کے علم میں سب کچھ ہے تو انسان کا کام ہے کہ وہ اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہے، غلطی سے بھی کوئی شکوہ، شکایت اور کوئی فکری، عملی یا ذہنی بغاوت نہ کرے۔

تقدیر کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ان مثالوں کو یاد رکھئے!

مثالیں رہبری کے لئے ہیں برابری کے لئے نہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم ہے، اس نے اپنی تمام مخلوقات کو مختلف قسم کا علم عطا فرمایا، انسانوں کو بھی دنیا میں زندگی گذارنے اور ان کی سہولت کی خاطر علم میں ترقی دے کر اس قابل بنایا کہ وہ زلزلے، طوفان اور بارش کے آنے سے پہلے ہی یہ جان لیتے ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں وقت طوفان آئے گا، فلاں جگہ بارش ہوگی اور زیادہ یا کم بارش ہوگی، زلزلے آنے سے دو چار گھنٹے پہلے معلوم کر لیتا ہے کہ زلزلے آئیں گے، چنانچہ طوفان اور سیلاب سے بچنے کے لئے اکثر پہلے ہی لوگوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے۔

☆ موسم کا علم رکھنے والے اللہ کے سکھائے ہوئے علم ہی سے بتلاتے ہیں کہ مانسون دیر سے آئیں گے یا وقت پر، اس مرتبہ بارش کتنے پرسینٹ ہوگی، کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔

☆ انسانوں کے ماہر فلکیات چاند کے نکلنے اور مہینہ ۲۹ دن کا ہوگا یا ۳۰ دن کا، اس کی اطلاع اور کیلنڈر اڈوانس میں تیار کرتے ہیں، آسمان پر سورج کس دن کتنے وقت پر نکلے گا اور کس وقت غروب ہوگا؟ کونسی تاریخ کو دن کتنے گھنٹوں کا ہوگا اور کونسی تاریخ کو کونسا دن ہوگا، سورج گہن، چاند گہن کب، کتنے وقت اور کتنے گھنٹوں کا ہوگا، رمضان اور شوال کا

چاند کونسی تاریخوں اور دنوں کو آسمان پر دکھائی دے گا، دُمدار ستارہ کب طلوع ہوگا، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کونسے دن اور کس تاریخ کو ہوگی، کونسا مہینہ قمری اور شمسی تاریخ کے اعتبار سے کس دن شروع ہوگا، کونسا موسم کب شروع ہوگا، کس ملک میں دن کتنے گھنٹوں کا ہوگا، سال کے بارہ مہینے کس دن شروع اور کس دن ختم ہوں گے، نماز کے اوقات، سورج کی گردش کے لحاظ سے سال بھر پہلے ہی تیار کر لئے جاتے ہیں۔

☆ یہ سب چیزیں آسمان پر ہوتی ہیں، انسان زمین پر رہ کر اللہ کے دئے ہوئے علم سے اڈوانس میں ان چیزوں کا علم دے سکتا ہے، اس کے علم دینے سے سورج، چاند، دن، رات، سردی گرمی کے موسم اور تاریخیں نہیں بنتی اور نہ اس کے کہنے اور اطلاع دینے سے بارش، زلزلے اور طوفان آتے ہیں، انسان کا علم سورج، چاند اور موسموں کی گردش پر اثر انداز نہیں ہوتا، انسان کے علم کا دنیا میں آنیوالے حالات میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، وہ صرف اللہ کے دئے ہوئے علم سے اڈوانس میں یہ سب پیشین گوئی کرتا ہے، ہم میں کا معمولی عقل رکھنے والا یہ کبھی نہیں کہتا کہ انسان کے کہنے سے یہ سب حالات بن رہے ہیں، سورج، چاند، ستارے انسان کی پیشین گوئی کی وجہ سے ان تاریخوں اور دنوں میں نکلنے پر مجبور ہیں، انسان کی پیشین گوئی کی وجہ سے طوفان اور زلزلے آنے پر مجبور ہیں، سورج گہن اور چاند گہن انسان کی پیشین گوئی کی وجہ سے بے نور ہو گئے ہیں، اگر کوئی کہے تو وہ بیوقوف ہوگا۔

☆ اسی طرح ڈاکٹر عورت کے حمل کی مدت اور مہینہ بتلاتے ہیں کہ فلاں مہینہ میں زچگی (ڈلیوری) ہوگی اور اتنے مہینے کا حمل ہے۔

☆ ہوائی جہاز، ٹرین اپنے مقامات پر پہنچنے سے پہلے ہی بتلا دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت پر جہاز یا ٹرین فلاں مقام پر رہے گی۔

☆ بعض مہلک بیماریوں میں ڈاکٹر مریض کی کیفیت دیکھ کر پہلے سے بتلا دیتے ہیں کہ یہ مریض اتنے دن زندہ رہے گا۔

☆ استاد شاگردوں کی صلاحیت، ان کی ذہنی حالت اور عقل وفہم کے لحاظ سے اڈوانس

میں کہتا ہے کہ اس کلاس سے فلاں فلاں بچے اول درجہ میں کامیاب ہوں گے اور فلاں بچے ناکام ہوجائیں گے، غرض بچوں کی حالت سے پورا اندازہ لگاتا ہے، اس کے اس طرح پیشین گوئی سے بچوں کے کامیاب اور ناکام ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا کہ وہ استاد کے کہنے کی وجہ سے فیل ہوگئے۔

ان تمام باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان اللہ کے دئے ہوئے علم کی بنیاد پر آگے آنے والے حالات کی اطلاع دے رہا ہے، مگر اس کے علم کی وجہ سے یہ حالات نہیں بن رہے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تو علیم ہے، اس کے علم کی مثل اور مثال ہی نہیں، اس کے علم کا اندازہ اور معلومات کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے، وہ بحیثیت علیم ہونے کے ہر مخلوق کی ابتداء سے آخر تک کا سارا علم رکھتا ہے، مگر اس کا علم جن اور انسان کو امتحان گاہ میں اچھا بُرا عمل کرنے پر مجبور نہیں کرتا اور نہ انسان و جن اس کے علم تقدیر کی وجہ سے اچھا یا بُرا عمل کرنے پر مجبور ہیں۔

اس نے انسانوں کو پہلے سے بتلایا کہ قیامت سے پہلے دنیا میں فلاں فلاں حالات آئیں گے، لوگ سود اور شراب کے نام بدل کر پئیں گے، قتل عام بہت ہوگا، اونٹ اور بکریاں چرانے والوں کی عمارتیں آسمان سے باتیں کریں گی، زلزلے اور طوفان آئیں گے، قیامت کے حالات پہلے سے بتلائے گئے کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، گابھن اونٹنیوں کا وقت سے پہلے حمل گر جائے گا، لوگ خرید وفروخت میں ہوں گے، سمندروں سے آگ نکلے گی، اللہ نے حشر کے میدان کے حالات پہلے سے بتلادئے کہ انسان کا حشر کے میدان میں یہ حال ہوگا کہ ہر شخص اپنے پسینہ میں گھٹنوں، کمر اور سینہ تک ڈوبا رہے گا، جنت وجہنم میں انسان کیسے کیسے رہے گا، جنّتی کیا کہیں گے، دوزخی کیا کہیں گے، حالانکہ یہ حالات ابھی نہیں آئے، مگر اللہ نے یہ سب کچھ پہلے ہی سے بتلادیا ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

ابوداؤد کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کے لئے ایک حقیقت ہے، ایمان کے لئے بھی ایک حقیقت ہے، کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا جب

تک کہ وہ یہ عقیدہ نہ رکھے کہ جو آرام اور تکلیف اسے پہنچتی ہے، وہ پہنچ کر رہتی تھی اور جو آرام و تکلیف اُسے نہیں پہنچی وہ اُسے پہنچنے والی نہ تھی۔

☆ مسند احمد کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمایا: ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک کہ اس کا پختہ یقین نہ ہو کہ جو حالات اس کو پیش آئے ہیں وہ آنے ہی تھے، اور جو حالات اس پر نہیں آئے وہ آ ہی نہیں سکتے۔ (ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور تمہارا اعتقاد اور یقین پختہ یہ نہ ہو کہ جو کچھ مصیبت یا تکلیف تمہیں آنی تھی وہ ٹلنے والی نہ تھی، تم کسی طرح اس سے چھوٹ ہی نہیں سکتے تھے، وہ تقدیر میں پہلے سے لکھی تھی، وہ تو آنی ہی تھی اور جو چیز تم پر پیش نہ آئے چھوٹ گئی وہ تمہیں مل ہی نہیں سکتی تھی، تم پر آ ہی نہیں سکتی تھی، اگر تم اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوئے مر گئے تو یقیناً دوزخ میں جاؤ گے۔ (رواہ احمد، ابن ماجہ)

ایک اور روایت میں رسول ﷺ نے یوں فرمایا: تم جان لو کہ جو چیز (مصیبت یا تکلیف) تم پر آئی ہے وہ ہرگز ٹلنے والی نہیں تھی، اس لئے کہ وہ پہلے سے تقدیر میں لکھی تھی، یعنی تم کوئی تدبیر بھی کر لیتے، کوئی قدم بھی اٹھا لیتے تب بھی وہ تو آنی ہی آنی تھی اور جو چیز تم سے چھوٹ گئی وہ تم کو کسی صورت میں نہیں مل سکتی تھی، جو چیز چھوٹ گئی وہ چھوٹ ہی جانی تھی، اس میں قطعاً کوئی تدبیر اور کوئی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ (ابوداؤد)

☆ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہونے کی وجہ سے انسان زندگی کے جن جن مراحل سے گذرتا ہے وہ اس کی تقدیر پر لکھ دئے گئے ہیں، وہ ان تمام مراحل سے گذر کر ہی امتحان والی زندگی میں آگے بڑھتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اگر تم پر کوئی مصیبت واقع ہو جائے تو یہ نہ کہو کہ کاش میں ایسا ایسا کر لیتا، بلکہ تم کہو: یہ تو اللہ نے میری تقدیر میں رکھا تھا، اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

اس لئے کہ لفظ لَوْ (کاش) سے شیطانی عمل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: کتاب القدر)

☆ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے موت کے وقت اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! تم اس وقت تک لذتِ ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے جب تک یہ نہ تصور کرلو کہ جو تکلیف تمہیں پہنچنے والی ہے وہ تم سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچنے والی ہے وہ کبھی پہنچ نہیں سکتی، جو اس پر ایمان کے بغیر مرا وہ مجھ سے نہیں۔ (ابوداؤد)

☆ طوفانِ نوحؑ کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا طوفان سے بچنے کے لئے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا مگر وہ اس تدبیر کے باوجود بچ نہ سکا۔

☆ رسول اللہ ﷺ کو مسجد ضرار سے منافق نقصان پہنچانا چاہتے تھے، پتھر گرا کر قتل کرنا چاہتے تھے؛ مگر ناکام رہے، ہجرت کے وقت تمام قبائل کے نوجوان مل کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن قتل نہ کر سکے۔

☆ فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کیا مگر حضرت موسیٰ کو قتل نہ کر سکا۔

☆ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے باوجود زندہ رہے۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ختم کرنا چاہا، مگر ناکام رہے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ جلا نہ سکی، آگ گلزار ہوگئی اور وہ زندہ نکل گئے۔

☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام چھری سے ذبح کرنے کے باوجود ذبح نہیں ہوئے۔

تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں انسانی عقل مجبور و محتاج ہے

چنانچہ تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں اکثر انسان افراط و تفریط کا شکار ہوگئے، تقدیر پر ایمان دین کا مشکل ترین عنوان ہے، انسان تقدیر کے مسئلہ کو سمجھ تو سکتا ہے، مگر سمجھانا مشکل ہے، اس کی گہرائی میں جائے تو گمراہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح دہکتے سورج، روح اور فرشتوں کو دیکھنے کی صلاحیت ہماری آنکھوں میں نہیں، آسمانوں کی بلندی اور وسعت کو ہم نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح بعض علوم اتنے مشکل

ہوتے ہیں کہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے ان پر زیادہ تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی، انہی میں سے مسئلہ تقدیر بھی ہے، اس میں زیادہ غور کرنے سے منع کیا گیا، زیادہ غور کرنے سے ایمان کو خطرہ ہے، اس پر ایمان لانا تو فرض رکھا گیا مگر اس کی تفصیل معلوم کرنا ضروری نہیں، اسلام انسان کو اس پر اتنا ہی علم دیتا ہے جتنا انسان کے لئے مفید ہے، سوائے دین اسلام کے کسی دوسرے مذہب میں تقدیر پر صحیح رہبری نہیں اور نہ وہ یہ مضمون سمجھا سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بار بار تاکید فرمائی کہ اس مسئلہ میں بحث کرنے سے پرہیز کیا جائے، ایک مرتبہ صحابہؓ آپس میں اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، صحابہؓ کی باتیں سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: کیا انہی باتوں کا حکم تم کو دیا گیا ہے، کیا اسی لئے میں تم میں بھیجا گیا ہوں؟ ایسی ہی باتوں سے پچھلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں، میں تاکید کرتا ہوں کہ تم اس معاملہ میں بحث نہ کرو۔ (سنن ترمذی: ابواب القدر)

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تقدیر کے بارے میں گفتگو کرے گا اس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، مگر جو خاموش رہے گا اس سے کوئی سوال نہ ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اس تعلق سے اگر کوئی بات غلط ہو جائے تو تم پکڑے جاؤ گے، اس پر بحث کرنے اور اس کی گہرائی میں تم کو جانے کی ضرورت نہیں۔ (عن عائشہؓ ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس مسئلہ کو خود اللہ نے مبہم رکھا ہے اور واضح نہیں فرمایا، تم بھی اُسے مبہم ہی رکھو، اگر یہ کہا جائے کہ اس محل میں رہو اور تمام کمروں میں سیر و تفریح کرو، مگر جو کمرہ بند ہے اس کو مت کھولو، دوسرے کمروں کے ساتھ بند کمرے کو بھی محل کا حصہ مانو، انشاء اللہ اس کتاب میں ایمان میں مضبوطی کے لئے تقدیر کا صرف ظاہری پہلو سرسری طور پر سمجھایا جائے گا۔

تقدیر کا مسئلہ آسان نہیں تھا تو ایمانیات میں کیوں رکھا گیا؟

بے شک تقدیر کے مسئلہ کو ہم اپنی محدود عقل سے سمجھنے سے مجبور ہیں، اس لئے اسلام اس کی گہرائی میں جانے سے منع کیا، لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ ہماری عقل میں

نہیں آتا، آخر اس کو ایمانیات میں کیوں رکھا گیا؟

ذرا سوچیے کہ عقل کتنی بڑی ہے، کیا کائنات کے تمام رازوں کو سمجھ سکتی ہے؟ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ جس چیز کا جاننا اور جس حد تک جاننا ضروری تھا وہ اللہ اور رسول ﷺ نے بتا دیا، اس سے زیادہ کھوج لگانا اور ایسی باتوں میں غور کرنا جن کے متعلق یقینی معلومات حاصل کرنے یا جن کی تہہ کو پہنچنے کے ذرائع ہمارے پاس نہیں ہیں، جن کے نہ جاننے سے ہم کو کسی قسم کا نقصان بھی نہیں ہے، لاحاصل بھی ہے اور خطرۂ ایمان بھی ہے۔

ویسے انسان کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ جس طرح ایمان کے سارے جزو سمجھ میں آسکتے ہیں، اگر تقدیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھی تو اُسے ایمانیات میں شامل نہیں ہونا چاہئے تھا اور یہ بات زبردستی کی ہو جائے گی کہ جس چیز کے سمجھنے کی استطاعت ہمارے اندر نہیں ہے اس کو ماننے کا حکم دیا جا رہا ہے ایسا نہیں ہے۔

ایمانیات کے تمام اجزاء سمجھ میں آسانی سے آسکتے ہیں، ایک ہے سمجھ میں آنا اور دوسرا ہے اس کی تفصیل جاننا، جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو مانتے ہیں مگر ہمیں ذات میں غور وفکر سے منع کیا گیا ہے، ہم ذات کو مانتے ضرور ہیں مگر سمجھا نہیں سکتے، ذات میں غور کرنے سے شرک پیدا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ہمیں صفات کا تعارف کروایا گیا اور صفات میں غور وفکر کی تعلیم دی گئی، صفات کو کسی حد تک سمجھ سکتے اور سمجھا سکتے ہیں اور صفات کو سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کوئی تصویر، شکل وصورت اور خاکہ ہی نہیں بنا سکتے، مخلوقات میں اللہ کی قدرت پر غور کر کے کہتے ہیں: ؎

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

ذات میں تصور کرنے سے انسان مخلوقات کی طرح خیالی خدا بنا لیتا ہے اور اس میں شرک فی الذات پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح تقدیر ایک بہت باریک مسئلہ ہے، اس کے بیان کرنے سے تھوڑی سی

بھی بے احتیاطی ہو جائے تو انسان پھسل جاتا ہے، تقدیر پر ایمان کے مطالبہ کا اصل مقصد یہ ہے ہی نہیں کہ ہم سے وہ چیز بیان کی جائے جس کے سمجھنے کی قابلیت واستعداد ہم میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

تقدیر کے عقیدہ کے ذریعہ انسان کو زندگی کے ہر قدم پر اللہ پر نظر رکھتے ہوئے ایمان باللہ کو مضبوط کرنے کی تعلیم دی جارہی ہے تاکہ ایمان میں جھول پیدا نہ ہونے پائے اور انسان اللہ سے نا اُمید نہ ہو جائے، اس کی تشریح آگے آئے گی۔

دنیا کے تمام کاموں میں اللہ کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے!

انسان دنیا کے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا عقیدہ رکھے، دنیا میں شر اور خیر کے جو بھی حالات آتے ہیں، وہ تقدیر کے لکھے پر اللہ کی حکمت و مصلحت کے تحت امتحان کیلئے آتے ہیں، کوئی واقعہ، کوئی عمل اور کوئی حالات اللہ کی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتے، دنیا امتحان گاہ ہونے کی وجہ سے انسان پر منفی و مثبت حالات کا آنا ضروری ہے، انسان ان حالات میں تقدیر پر پختہ ایمان رکھ کر صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے اور اللہ کی اطاعت و بندگی کو نہ چھوڑے، حالات کے ظاہری پہلو پر نگاہ رکھ کر ان کا اثر لینا اور نتیجہ اپنے دماغ سے نکالنا انسان کو گمراہ کر دیتا ہے اور انسان کا تقدیر پر ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو خاص طور پر پیش کر کے انسانوں کو حالات کے ظاہری پہلو پر نگاہ نہ رکھنے کی تعلیم دی، حضرت خضرؑ نے غریب لوگوں کی کشتی کو عیب دار بنا دیا، بظاہر وہ تکلیف دہ بات تھی، مگر اس کی حکمت الگ تھی، گرتی دیوار کو درست کر دیا، بظاہر یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی تھی، مگر تقدیر کے فیصلہ پر اس کی حکمت الگ تھی، ایک لڑکے کو مار ڈالا، یہ بھی بظاہر ظلم نظر آیا، مگر تقدیر کے تحت اس کی حکمت الگ تھی، انسان زندگی کے تمام کاموں میں اللہ کی حکمت کو نہیں سمجھ سکتا، اس کے لئے صرف تقدیر پر بھروسہ کر کے صبر کرنا صحیح اور بہتر راستہ ہے۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں بھائیوں نے ڈالا، ان کا یہ عمل بظاہر ظلم نظر آیا، مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ تقدیر کے لکھے امتحان پر وہ مصر کے شاہی خاندان میں چلے جائیں گے، پھر زلیخا نے برائی کے ارادہ کا الزام لگا کر جیل بھیج دیا، مگر اس کو کیا معلوم تھا کہ تقدیر کے لکھے امتحان پر جیل سے حکومت واقتدار پر آجائیں گے۔

☆ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بچپن میں ڈاکوؤں نے چرالیا، ماں اور خاندان پر مصیبت آگئی، مگر کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ تقدیر کے لکھے امتحان پر اللہ کی حکمت ومصلحت سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں چلے جائیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے بن جائیں گے، پھر بڑے بڑے صحابہؓ میں شمار ہوگا، اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جنّتی صحابیہ سے ان کا نکاح ہوگا۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد کے انتقال پر کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو بے جڑ اور دم کٹے ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بعد دین اسلام کے ختم ہوجانے کا پروپیگنڈہ کیا، کفار مکہ اللہ کی حکمت ومصلحت کو کیا جانے کہ تقدیر کے لکھے پر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کوثر عطا فرما کر کتنی رحمتیں، حکمتیں، برکتیں، عزت اور مقام ومرتبہ عطا کرنے والا ہے، پوری دنیا میں رسول اللہ ﷺ کا نام اذان واقامت اور کلمہ میں کیسے لیا جائے گا، کیسے ہر زمانہ میں لوگ آپ ﷺ پر جان ومال قربان کریں گے، کفار مکہ اللہ کی یہ حکمت نہیں جانتے تھے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کو قبیلہ قریش میں بنی اسماعیلؑ میں پیدا کیا گیا، یہود ونصاریٰ نے تقدیر کے لکھے امتحان پر ایمان نہ رکھ کر اللہ کی حکمت ومصلحت کو نہ سمجھا اور بنو اسماعیلؑ کے ساتھ دشمنی کرکے رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا اور بنی اسرائیل گمراہ ہوئے۔

☆ فرعون کو کیا معلوم تھا کہ وہ جس راستہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعاقب کررہا ہے وہ تقدیر کے لکھے پر اس کا اور اس کی فوج کی موت کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس کو اس راستہ پر لانے اندھا بنادیا۔

☆ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ربیعہ اور دوسرہ سردارانِ مکہ کو کیا معلوم تھا کہ اللہ نے تقدیر کے

لکھے پر جنگ بدر ان کی کامیابی کا نہیں موت کا سامان بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے ان کو ان کی قربان گاہ پر لایا اور وہ قتل کر دئے گئے۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے میں ان کی قوم تقدیر کے فیصلہ کو نہ سمجھ سکی کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے کشتی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچائے گا اور پوری قوم کو طوفان میں غرق کر دے گا۔

☆ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچھڑا دیا گیا، مگر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی دشمنی میں اللہ کی حکمت اور تقدیر کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مصر کی حکومت میں اقتدار پر آجائیں گے۔

☆ کفارِ مکہ کے تمام قبائل کے لوگوں نے مل کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہا، مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ اللہ اپنی تقدیر کے لکھے پر حکمت و مصلحت کے ساتھ ہجرت کروا کر مدینہ میں اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل نہ کر سکے، ان کو کیا معلوم تھا کہ تقدیر کے لکھے کے بغیر کوئی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔

☆ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو یہودی کے ہاتھوں بیچ دیا گیا، مگر اللہ کی تقدیر نے ان سے جنگ خندق کا کام لیا اور رسول اللہ ﷺ کے اہم صحابی بن گئے۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر نماز، روزہ، زکوۃ، حج، وضو، غسل، طہارت، پردہ، دعوتِ دین اور جہاد جیسے اعمال و عبادات دے کر کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں، یہ انسان نہیں جان سکتا، غیر مسلموں کے ستانے اور تکالیف پر کیا کیا انعام ملنے والے ہیں، مسلمان نہیں جانتے، غیر مسلموں کو ان کی بداعمالیوں پر کیا کیا خطرناک عذاب ہونے والا ہے وہ نہیں جانتے، اگر انسان ان تمام اعمال پر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت سمجھ کر صبر کرے گا تو تقدیر پر ایمان بڑھتا اور صبر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور وہ منفی حالات میں بھی کامیاب زندگی گذار سکتا ہے، دنیا میں جو بھی حالات غریبی، امیری، بیماری، مصیبت و پریشانی کے آتے ہیں وہ سب تقدیر کے لکھے امتحان کے تحت حکمت و مصلحت پر ہوتے

ہیں، ان کے راز کو ٹٹولنے کی کوشش کرنا تقدیر کے عقیدہ کے خلاف ہے، اگر ہر چیز کی حکمت ومصلحت بتلا دی جائے تو انسان کا نہ امتحان لیا جاسکتا تھا اور انسان ان چیزوں کے فائدہ اور نقصان کو جان کر عمل کرتا تھا، اللہ کے واسطے تقدیر کے اچھے برے پر ایمان رکھ کر اطاعت نہیں کرتا تھا، جس طرح دنیا میں کوئی منصوبہ سے پہلے سارے کام لکھ دئے جاتے ہیں، اسی طرح اللہ نے دنیا بنانے سے پہلے کائنات کی مخلوقات کے سارے حالات لکھ دئے ہیں کہ وہ کیا کیا کریں گے اور اس کے بدلے میں ان کو کیا کیا ملے گا، تقدیر کو چھپا کر رکھنے سے انسان اپنی جد و جہد جاری رکھتا ہے، غریبی، پریشانی اور مصیبت سے کیا فائدہ ہونے والا ہے، اس کو جان لیتا تو خوشی خوشی بغیر شکایت بغیر ناراضگی کے زندگی گذارتا تھا، غریبی کی حکمتوں کو جان لیتا تو کبھی گناہ و نافرمانی نہیں کرتا، حرام کی طرف نہیں دوڑتا تھا۔

اگر اللہ کی تقدیر کی حکمت و مصلحت کو سمجھے تو انسان کبھی بھی موت، نقصان، خوف، بھوک، ناکامی پر واویلا نہیں کرے گا، امتحان کے لئے پہلے سے تقدیر کو تیار کرنا ضروری تھا، یہ اللہ کی ڈائری ہے، اس میں کوئی جھانکنے کی کوشش نہ کرے، اسی کے ذریعہ ایمان باللہ کی نورانیت ظاہر ہوتی ہے۔

دنیا کو امتحان وآزمائش کی جگہ بنایا گیا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ ﴿سورة البقرة: ١٥٥، ١٥٦﴾

ترجمہ:۔ ہم تمہاری آزمائش کریں گے، دشمن کے خوف سے، بھوک اور پیاس سے، جان و مال اور پھلوں میں کمی اور نقصان کر کے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے، جب وہ مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ کے ہیں، اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَسَآؤُوْا

بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰىo ﴿سورة النجم:۳۱﴾

ترجمہ:۔ زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے تا کہ ان برائی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جن لوگوں نے اچھے عمل کئے انہیں اچھا بدلہ دے۔

الَّـذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُo ﴿سورة الملک:۲﴾ ترجمہ:۔ اسی نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرلے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ بڑا زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے (اسی امتحان کے بعد انسان کا انجام طے کرے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان کی جگہ بنا کر انسان کو ارادہ اور عمل کے ایک محدود دائرہ میں آزادی دی، تا کہ اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ اپنی چاہت اور پسند سے اس محدود آزادی کو کس طرح استعمال کرتا ہے، اللہ نے امتحان کی خاطر دنیا میں دو طرح کے حالات رکھے ہیں، ایک ناسازگار حالات دوسرے سازگار حالات، ان حالات میں تقدیر پر عقیدہ نہ ہو تو انسان ذہنی توازن میں اعتدال سے ہٹ جاتا ہے اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

اللہ نے امتحان کی خاطر اس امتحان گاہ میں اور دنیا کا نظام چلانے تقدیر ہی کے ذریعہ کسی انسان کو مرد بنایا کسی کو عورت بنایا، کسی کو امیر اور کسی کو غریب بنایا، کسی کو تندرست اور کسی کو بیمار رکھا، کسی کو عالم اور کسی کو غیر عالم رکھا، ایمانداری کے ساتھ بے ایمانی بھی رکھی، سچ کے ساتھ جھوٹ رکھا، حرام کے ساتھ حلال رکھا، نکاح کے ساتھ زنا رکھا، اچھائی کے ساتھ برائی، امن کے ساتھ جنگ اور فساد، انصاف کے ساتھ ناانصافی و ظلم رکھا، آرام کے ساتھ مصیبت رکھی، خوف کے ساتھ امن رکھا، فائدہ کے ساتھ نقصان، توحید کے ساتھ شرک وغیرہ رکھا، غرض انسانوں کا امتحان لینے منفی حالات کے ساتھ مثبت حالات بھی رکھے، حق کے ساتھ باطل رکھا، پیغمبر کے ساتھ شیطان بھی رکھا، تب ہی امتحان لیا جاسکتا ہے۔

تقدیر کے ذریعہ امتحان کی خاطر کسی کو ایمانی ماحول میں اور کسی کو غیر ایمانی ماحول میں پیدا کرتا ہے، مگر دونوں کی فطرت صحیح رکھی، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اسلام کی

فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، ایمانی ماحول میں پیدا ہونے والوں پر یہ ذمہ داری رکھی کہ وہ اپنی پسند اور چاہت سے مسلمان بن کر بتلائیں اور غیر ایمان والوں کے سامنے اسلام کا مظاہرہ کریں اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں، غیر ایمان والوں پر یہ ذمہ داری رکھی کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز عقل وفہم اور آنکھوں کانوں سے حق کی دعوت سنے اور دیکھیں اور اپنی چاہت اور پسند سے ایمان لے آئیں، غرض کسی کو زبردستی نہ شعوری ایمان والا بناتا ہے اور نہ زبردستی کسی کو کافر اور مشرک پیدا کرتا ہے، امتحان کے لئے دو ماحول رکھے ہیں۔

دنیا کے اس امتحان میں انسانوں پر مختلف منفی اور مثبت حالات آئیں گے، کبھی ایمان قبول کرنے پر کبھی غیر مسلموں کی طرف سے ایمان والوں کو اذیتیں، جان و مال کا نقصان، بھوک و پیاس کبھی صحابہؓ کی طرح غیر مسلموں کے ہاتھوں قتل وخون یا وہ مسلط ہوجائیں گے، ان تمام حالات میں ایمان والوں کو آزمایا جائے گا، ان تمام حالات میں اگر تقدیر پر ایمان مضبوط ہوتو وہ ثابت قدم ہوں گے، امتحان کے لئے منفی ومثبت، صحیح اور غلط حالات رکھنا ضروری ہے، تب ہی امتحان لیا جاسکتا ہے، یہ سب پہلے ہی طے کرنا پڑتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جو یہاں بوئیں گے وہی وہاں کاٹیں گے، یہ دنیا کا امتحان کوئی ڈرامہ نہیں کہ جس کو ڈائریکٹر کی ہدایات اور مرضی پر عمل کرنا ہوگا، اگر ڈائریکٹر کے جبر اور مرضی سے عمل کریں، وہی الفاظ زبان سے ادا کریں جو لکھ کردئے گئے اور رٹا دئے گئے ہوں؛ تو اس کو امتحان نہیں کہا جاسکتا۔

ذرا غور کرو امتحان نہ ہوتا تو آخر عالم ارواح میں کیوں وعدہ (عہد الست) لیا جاتا، پیغمبروں کو وعدہ یاددلانے کیوں بھیجا جاتا، کتابیں کیوں نازل کی جاتیں، اسباب کے درمیان کیوں رکھا جاتا؟ ضمیر، عقل، فہم، آنکھیں، کان اور زبان وغیرہ کیوں دئے جاتے؟ شر اور خیر کی طاقت کیوں دی جاتی؟ تمام انسانوں کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیوں کیا جاتا؟ ترازو قائم کیوں کی جاتی؟ اعمال کا وزن کیوں کیا جاتا؟ دنیا کو اچھے بُرے اعمال کرنے کی جگہ کیوں

بنائی جاتی؟ ارادہ واختیار کی آزادی کیوں دی جاتی؟ جب یہ ڈرامہ ہوتو یہ سب بیکار ہو جاتا، دنیا کو عمل کرنے کی جگہ اور آخرت کو بدلہ پانے کی جگہ کیوں بنائی جاتی؟ آخراتنی تمام مخلوقات کو انسانوں کے امتحان کے لئے کیوں پیدا کیا جاتا، اللہ تعالیٰ تو کوئی کام بیکار اور عبث نہیں کرتا۔

جب اس نے دنیا کو امتحان وآزمائش کی جگہ بنایا ہے تو امتحان کی خاطر آزادی واختیار دینا لازمی اور ضروری تھا، تب ہی امتحان لیا جاسکتا ہے، یہ آزادی واختیار تقدیر ہی کے ذریعہ دئے گئے، امتحان کی خاطر شر اور خیر کی طاقت اور سنبھلنے کی مہلت دینا ضروری تھا، تب ہی امتحان لیا جاسکتا ہے، یہ شر اور خیر تقدیر ہی کے ذریعہ دیا گیا، امتحان کی خاطر نیکی وبدی کے راستے، پیغمبر اور شیطان دونوں کو رکھنا ضروری تھا، تب ہی امتحان لیا جاسکتا تھا، یہ تقدیر ہی کے ذریعہ رکھا گیا، امتحان کے لئے انسان پر مختلف حالات کو لانا یہ تقدیر ہی کے ذریعہ رکھا۔

☆ امتحان کی خاطر گناہوں میں لذت، مزا، عیش وآرام، دنیا کی چمک دمک، دنیا کے مزے اور نیکیوں میں مشکلات وتکالیف اور مصائب وپریشانیاں رکھا، ایمان قبول کرنے میں مشکلات وآزمائش اور کفر وشرک میں بے حیائی، بے شرمی، ننگا پن، آزادی اور حرام چیز کی رغبت سب کچھ محض امتحان کے لئے رکھا، اور یہ سب تقدیر ہی کے ذریعہ امتحان لیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو بھی گمراہی میں پیدا نہیں کرتا

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ ﴿الکھف:۲۹﴾

اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً ﴿الدھر:۳﴾

ہم نے اس کو راستہ دکھلا دیا ہے، چاہے تو شکر گذار بنا رہے اور چاہے تو ناشکر گذار بن کر رہے۔

اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو گمراہی پر پیدا نہیں کرتا، جب اس نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس کو گمراہ کرتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو گمراہی میں نہ پیدا کرتا ہے اور

نہ ڈھکیلتا ہے، اللہ نے انسان کو پوری آزادی واختیار دے کر جنت وجہنم والے راستوں کو سمجھایا اور دوزخ والے راستہ سے بچ کر جنت حاصل کرنے کی کھلی تعلیم دی، بار بار پیغمبروں کو بھیجا، وہ اپنے بے انتہاء مہربان اور نہایت رحم کرنے کا احساس بندوں کو دلایا، بار باران کی توبہ قبول کر کے سنبھلنے اور سدھرنے کا موقع دے رہا ہے، معافی پر معافی دیتا ہے، وہ ظلم کرنا نہیں چاہتا، وہ تو ہمیشہ رحم کرنا چاہتا ہے، زبردستی کسی کو عذاب نہیں دیتا، اس کو اپنے بندوں کو سزاء دینے سے کچھ بھی فائدہ نہیں۔

اس کے باوجود انسان حق کو جان کر برائی پسند کرے اور گناہوں کے راستوں پر ہی چلنا چاہے تو اس میں انسان ذمہ دار ہے، اس نے انسان میں شر اور خیر کی قوت صرف امتحان کے لئے رکھی ہے، وہ زبردستی کسی کو گمراہی میں نہیں ڈالتا، وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کو بغیر دیکھے ایمان لاتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس کو پکارتا ہے، اس کی عبادت کرتا ہے اور اس کے حکموں پر چلتا ہے، اس سے بغیر دیکھے ڈرتا ہے اور حساب دینے کا احساس رکھتا ہے اور کون نڈر بنا رہتا ہے، اس نے انسانوں کو کئی بہانوں سے معاف کرنے کا نظم رکھا، وضو، غسل، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، پردہ اور بہت سے اعمال صالحہ سے بار بار گناہ معاف کرتا رہتا ہے، اگر وہ پہلے سے کسی کو جہنم کے لئے پیدا فرماتا تو یہ سب کام کیوں کرتا؟

اس نے سکرات کے شروع ہونے سے پہلے تک توبہ کی مہلت دے رکھی ہے، وہ جب حقیقی مالک وخالق اور علیم ہے تو اس کو اپنی مخلوقات کے ہر حال سے یعنی ابتداء سے انتہاء تک سے واقفیت رکھنا ضروری ہے، البتہ اس نے انسانوں اور جنوں کے امتحان لینے کے مختلف حالات اور طریقے رکھے، مگر ہر ایک کو عقل وفہم اچھے برے کی تمیز دی ہے، اب انسان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے یا گمراہی پر چلے۔

اللہ تعالیٰ تقدیر کی بنیاد پر کسی کو جنت ودوزخ نہیں دیتا!

وَنُودُوٓا أَن تِلۡكُمُ ٱلۡجَنَّةُ أُورِثۡتُمُوهَا بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ٥ ﴿الاعراف:۴۳﴾

اور (اس وقت) صدا آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہیں ان اعمال کے

بدلہ میں ملی ہے جو تم نے کیا ہے۔

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعٰىo ﴿النجم:۳۹﴾

انسان کو اس کی اپنی کوشش ہی کا ثمرہ ملے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَo

اے کافرو! آج بہانے مت بناؤ، تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے۔(التحریم:۷)

اللہ تعالیٰ اپنے علم تقدیر کی بنیاد پر کسی انسان کو جنت یا دوزخ نہیں دیتا، اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنی صفات عدل اور مقسط کی تعلیم دی، جو پورا پورا انصاف کرنے والا ہے کا تصور دلاتی ہے، دنیا کی زندگی میں انسانی حکومت کسی انسان کی ڈگری، قابلیت اور ہوشیاری پر تنخواہ یا انعام نہیں دیتی اور کسی انسان کو جرم کرے بغیر سزاء نہیں دیتی، بہت سی اطلاعات اور شکایتوں پر جانچ کر کے عملی مظاہرہ کے ساتھ مجرم کو پکڑتی ہے یا کوئی انسان بہادر و دلیر ہو تو میدان میں اس کے عملی مظاہرے کے بعد ہی انعام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان اور عمل کرنے کی جگہ بنایا اور آخرت کو جزاء اور سزاء پانے کی جگہ بنایا، وہ تقدیر کا علم رکھنے کے باوجود انسانوں کے ساتھ دو فرشتے کراماً کاتبین رکھے، جو ہر روز ہر گھڑی انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں، گویا ان کے ذریعہ انسانوں کا نامۂ اعمال تیار کروا رہا ہے، پھر دنیا کی زندگی میں اچھے بُرے اعمال کرنے کا اختیار اور آزادی دی ہے، اور انسان کو اچھے برے اعمال کرنے کا پورا موقع دے رہا ہے اور کل قیامت کے دن وہ انسانی جسم کے اعضاء سے اور زمین سے گواہی دلوائے گا، اگر وہ اپنے علم تقدیر کی بنیاد پر جنت و جہنم کا فیصلہ کر دے تو انسان کہہ سکتا تھا کہ اس نے کبھی گناہ کے اعمال کئے ہی نہیں اور نہ وہ نیکیوں سے دور بھاگا ہے، بغیر اعمال کئے اُسے سزاء کیسے دی جا رہی ہے، یہ نعوذ باللہ ظلم ہو جاتا اور انسان اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوتا، انصاف صحیح نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کا پورا ریکارڈ تیار کر کے انصاف کرنا چاہتا ہے تا کہ انسان خود کہے کہ میں حقیقت میں مجرم ہوں اور سزاء کا مستحق ہوں۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے انسانوں کا امتحان لینا مقصود تھا، انسان خود اپنی مرضی سے غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے اور ان کو بغیر کسی دلیل کے غلو کر کے خدا کا بیٹا بنا دیا، اللہ کو یہ علم تھا اور ہے کہ اس معجزہ سے کون کون لوگ گمراہ ہوں گے، کون اپنی عقل وفہم کا غلط استعمال کریں گے کل قیامت کے دن وہ اپنے مجرم ہونے سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

☆ حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ والی اونٹنی کو پہاڑ سے پیدا کر کے انسانوں کا امتحان لیا گیا، لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آ کر حضرت صالحؑ کی مخالفت کر کے اونٹنی کو اپنی چاہت اور مرضی سے قتل کرنے کا عملی مظاہرہ کیا اور وہ خود اس نافرمانی کے ذمہ دار بنے، اللہ کو علم تھا کہ یہ لوگ اونٹنی کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں، قیامت کے دن وہ اپنے آپ کو خود مجرم تصور کریں گے۔

☆ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کرنے میں عملی اعتبار سے انسانوں نے جسارت کی اور اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے مجرم بنے، کل قیامت کے دن وہ اپنے مجرم ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔

☆ ابو جہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ کو اللہ نے امتحان کے لئے غیر مسلم ماحول میں پیدا کیا اور ان کی فطرت صحیح رکھی، وہ اگر اسلام کی مخالفت کئے یا ایمان نہیں لائے تو اللہ اپنے سے ان کو ایمان قبول کرنے سے دور نہیں رکھا، وہ خود اپنی چاہت اور پسند سے کفر پر چلے اور ایمان نہیں لائے، مگر اللہ کو یہ معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے، ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔

☆ کل قیامت کے دن ابولہب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی اور ابو جہل، عتبہ وشیبہ جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے کا انکار نہیں کر سکتے، ان کو احساس ہوگا کہ وہ حق کو مٹانے کی کوشش میں جہنم کے حقدار ہوئے۔

☆ فرعون کو قیامت کے دن احساس ہوگا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کر کے جہنم میں جانے کے قابل بنا۔

☆ قیامت میں انسانوں کے اعضاء خود گواہی دیں گے کہ ہم سے یہ یہ گناہ کروائے گئے، زمین گواہی دے گی کہ فلاں وقت فلاں جگہ مجھ پر فلاں شخص نے فلاں فلاں گناہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر کام اصول وضابطہ (تقدیر) کے مطابق رکھا

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے ''کُن''، یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، مگر اس نے کائنات کی چیزوں کو جب پیدا کر دیا تو ہر ایک کے لئے ایک ضابطہ، اصول، قاعدہ اور قانون بنایا، اسی اصول، ضابطہ کے تحت ساری کائنات چل رہی ہے، اسی کو تقدیر کہتے ہیں، مثلاً جانوروں میں جب وہ ان کی نسل پیدا کرتا ہے تو تقدیر کے تحت نر اور مادہ کے ملنے کے بعد انڈوں کے بننے یا پیٹ میں حمل ٹھہرنے کا طریقہ رکھا، پھر انڈوں کو باقاعدہ نر اور مادہ سے سینے لگاتا اور ایک مدت کے بعد بچے انڈوں سے باہر نکلتے ہیں، یا پھر مادہ کے پیٹ میں حمل کی مدت مقرر کر کے ان کو مختلف مراحل سے گذار کر مدت پوری ہونے کے بعد بچہ باہر نکلتا ہے، اسی طرح تقدیر کے مطابق انسانوں میں ماں باپ کے ملنے کے بعد ان کے نطفوں سے ماں کے رحم میں حمل ٹھہراتا ہے اور ہر چالیس دنوں کے بعد اس حمل کو مختلف مرحلہ سے گذار کر نو مہینے کے بعد انسان کے بچہ کو دنیا میں لاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ پندرہ بیس سالوں میں انسان کے بچہ کو مکمل انسان بناتا ہے، اسی طرح غلہ، اناج اور ترکاریوں کے لئے پہلے زمین کو نرم کروا کر اس میں کھاد ڈلواتا ہے اور پھر بیج کو بونے لگاتا ہے، پھر پانی اور گرمی سے مولکا نکال کر پودا بناتا ہے، اور پودا جوان ہو جانے کے بعد پھول اور پھل نکالتا ہے، انسان کو بھی جب پیدا کرتا ہے تو آہستہ آہستہ دیکھنے، سننے، سمجھنے اور بات کرنے کی صلاحیت دیتا ہے، یہ چیزیں اس کو یکدم نہیں مل جاتیں، پھر مکمل انسان بننے کے بعد عمدہ عقل وفہم عطاء کرتا ہے، تاکہ وہ خیر وشر یعنی اچھے اور بُرے کو آسانی سے سمجھ سکے، وہ جس طرح دنیا کی زندگی گذارنے انسانوں کو مخلوقات کا علم عطا فرماتا ہے، اسی طرح انسانوں کی روحانی زندگی

کے سدھار کے لئے پیغمبر مقرر کئے اور ان پر آسمان سے وحی الٰہی کو نازل کیا، پھر پیغمبر کے چلے جانے کے بعد وحی کو کتاب میں محفوظ کر کے اس کے علماء تیار کئے تا کہ انسان استادوں کے ذریعہ اپنی اخلاقی اور روحانی زندگی کا علم حاصل کرے، ہر جمعہ علماء کے ذریعہ وعظ و نصیحت کا طریقہ کار بھی رکھا، پھر انسانوں کو یہ آزادی عطا فرمائی کہ وہ اپنے اختیار اور پسند سے چاہے تو وحی کو مانے یا نہ مانے، وحی کے مطابق زندگی گذارے یا نہ گذارے، اپنی پسند اور چاہت سے نیکی کرے یا برائی کرے، وہ چاہیں تو جنت کا سودا کریں یا دوزخ کا۔

اگر اللہ تعالیٰ جبر کے ساتھ انسان کو نیکی یا برائی کرواتا تو جس طرح وہ جانوروں اور دوسری مخلوقات کے لئے استاد، مدرسہ، کتاب، عمدہ عقل وفہم اور پیغمبر نہیں رکھا، ان کو شر و خیر، نیکی و بدی کی تمیز نہیں دی اور نیکی اور برائی کا اختیار نہیں دیا اسی طرح انسانوں سے بھی جبراً اطاعت کرواتا تھا، اس کو یہ تمام انتظامات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

یہ تمام انتظامات وطریقۂ کار اختیار کرنے کے باوجود انسانوں کو آزادی واختیار دیا کہ وہ اپنی چاہت اور پسند سے اعمال صالحہ کرے یا نہ کرے، جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے، مگر انسانوں نے تقدیر کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ تقدیر میں لکھے جانے سے کر رہے ہیں، اللہ نے نعوذ باللہ ہمارے تعلق سے پہلے ہی کون کونسے اعمال کرنے ہیں لکھ دیا ہے، پیدائش سے پہلے ہی جنتی و دوزخی کون کون انسان ہیں مقرر کردئے ہیں، ہم اپنے اعمال کرنے میں تقدیر کے مجبور ومحتاج ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ علیم ہونے کی حیثیت سے پہلے سے سب جانتا اور علم رکھتا ہے کہ انسان کیا کیا کرے گا، کون کس راستہ پر چلے گا، اگر پہلے سے نتیجہ لکھ دیا ہوتا تو وہ انسانوں کو سدھرنے، توبہ کرنے، غلطی کو درست کرنے اور اپنی زندگی کو سدھارنے کی مہلت ہی نہیں دیتا، انسان کی توبہ تو وہ سکرات شروع ہونے سے پہلے تک بھی قبول کرنے کو تیار ہے، وہ اپنے تقدیر کے علم سے انسان کو اچھا بُرا عمل کرنے میں جبر وزبردستی نہیں کرتا اور نہ مداخلت کرتا ہے، وہ تو گنہگاروں کو بار بار معاف کرنے کا طریقہ رکھا، مرنے کے بعد بھی بہت سے انسانوں کو

معاف بھی کرے گا، مگر لوگ آسانی سے یہ کہہ دیتے ہیں عمل میں ہمارے ارادہ کا دخل نہیں، اللہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہی عمل کرنے پر ہم مجبور ہیں، جبکہ اس نے انسان کو قدرت، اختیار، آزادی، ضمیر، زبان، کان، آنکھ اور غور و فکر کرنے والا نفس مطمئنہ کیوں دیتا۔

سورۃ الدّھر (۳۲) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اُسے سننے، دیکھنے والا بنایا، ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھایا، چاہے تو وہ شکر کرے یا کفر کرے''۔

اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی گمراہ نہیں کرتا

يُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِىْ بِهِ كَثِيراً وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ٥

وہ بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعہ گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت سوں کو راہ راست دکھاتا ہے، اس سے گمراہی میں وہ انہیں کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔ (بقرہ:۲۶)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاء كُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَاْ عَلَيْكُم بِوَكِيْلٍ ٥

اے محمدؐ! کہہ دیجئے کہ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے، اب جو چاہے سیدھی راہ اختیار کرے، اس کی راست روی اس کے لئے مفید ہے اور جو گمراہ رہے اس کی گمراہی اس کے لئے تباہ کن ہے، اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔ (یونس:۱۰۸)

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ۔

اور صاف کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ (الکہف:۲۹)

قرآن مجید میں ذکر آتا ہے کہ خدا نے گمراہ کر دیا تو وہاں کہنا یہ ہوتا ہے کہ انسان نے حق کو جان کر حق کا انکار کر کے ہدایت کے بجائے گمراہی کو پسند کیا، گمراہی پر چلنا چاہے تو اللہ نے اس کی پسند اور چاہت کی رعایت کی، دنیا امتحان گاہ ہونے کی وجہ سے اس

نے جو راستہ پسند کیا وہ راہ اس کے لئے آسان اور ہموار کردی، وہ جس چیز کو اپنی مرضی سے پسند کیا اور خواہشمند ہوا وہی چیز اس کے لئے فراہم کردی، اس کو ارادہ واختیار کی جو آزادی اللہ نے بخشی تھی اس کو سلب نہیں کیا، اس میں تقدیر کے علم کی وجہ سے حق کا انکار کرنے اور گمراہی پر چلنے کے لئے زور وزبردستی اور مجبور نہیں کیا۔

جو لوگ حق کو جان بوجھ کر پسند نہیں کرتے، اپنے ضمیر، عقل وفہم کے خلاف چلتے، نفس اور باپ دادا کی اندھی تقلید کرتے، تعصب، حسد وجلن اور عصبیت میں مبتلا رہتے اور حق کی جان بوجھ کر مخالفت کرتے اللہ ان کو گمراہ کرتا ہے، جس کی مثال یہود ونصاریٰ کی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر پہچانتے تھے اور اپنی کتابوں کے ذریعہ آخری نبی اور کتاب کے انتظار میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ تک کی نشانیاں جانتے تھے، اس کے باوجود محض بنی اسماعیل میں رسول اللہ ﷺ کے آنے کی جان بوجھ کر مخالفت کی اور امتحان میں ناکامی کو پسند کیا، حق کو مٹانا چاہا، اگر اللہ پہلے ہی سے کسی کو جہنمی بناڈالے یا زبردستی گمراہ کرے تو نعوذ باللہ یہ ظلم ہوجائے گا؛ کہ جہنمی بنا کر پیدا کرے اور جہنمی اعمال کرائے اور پھر جہنم میں سزا بھی دے، اللہ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔

سورۃ النساء، آیت ۱۱۵: <u>مگر جو شخص ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے تو ہم اُسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کا اس نے رُخ کیا ہے، پھر ہم اُسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔</u>

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک زبردست طاقت رکھی ہے جو ضمیر کہلاتی ہے، یہ ایک ایسی قوت ہے کہ جو بھی انسان گمراہی پر چلتا ہے یا گمراہی کا ارادہ کرتا یا گمراہی کو پسند کرتا ہے یہ قوت فوراً اُسے اس کی گمراہی کا احساس دلا کر راہِ راست کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے، مگر جب وہ انسان مسلسل اپنی گمراہی پر اصرار کرتا اور جما رہتا ہے اور گناہوں کے راستہ ہی کو پسند کرتا ہے تو یہ ضمیر کی قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر میں ختم ہوجاتی ہے اور ضلالت وگمراہی کی بیماری بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس

قوت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، گویا وہ مردہ ہو جاتی ہے، پھر اس انسان کو حق سے نفرت ہوتی ہے، حق نظر نہیں آتا، اس کے دل، آنکھوں اور کانوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ وہ حق بات کو دیکھنے اور سننے کے باوجود سمجھ نہیں سکتا، حق کی روشنی کی پہچان نہیں کرسکتا، حق کی آواز سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، اس کی ہدایت کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں اور وہ گناہوں میں لذت محسوس کرتا ہے، گناہوں کو پھیلاتا اور گناہوں ہی سے چمٹا رہتا ہے، اسی کو قرآن نے کہا کہ اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا، اللہ نے اس کو زبردستی گمراہی پر نہیں ڈالا۔

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا۔ ﴿مریم:۷۵﴾

ان سے کہہ دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے اس کو رحمٰن ڈھیل دیا کرتا ہے۔

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ ﴿صف:۵﴾

پھر جب انہوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھے کر دئے، اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دنیا کے کاروبار کرنے میں تقدیر کا بہانہ نہیں بنایا جاتا

تقدیر تو یہ ہے کہ انسان جسم اور روح دونوں کی حفاظت کے لئے محنت، جدوجہد اور کوشش کرے، اور اللہ نے انسان کو اپنی پہچان کے ساتھ ایمان لا کر اطاعت وعبادت کرنا مقصد بنایا، مگر انسان کے لئے اطاعت وعبادت جبراً اور زبردستی کی نہیں رکھا، بلکہ انسان کی چاہت اور پسند سے عبادت واطاعت کرنے کی آزادی دی، انسان شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ کی اطاعت وعبادت سے دوری اور بچنے کے لئے تقدیر کا بہانہ بناتا ہے اور روح کو مردہ بنا دیتا ہے۔

دنیا کے کاروبار میں کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں تجارت اور نوکری نہیں کروں گا، جو مقدر کا رزق ہے وہ بغیر محنت کے مجھے مل کر رہے گا، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرا گھر میں سوتا رہوں گا؛ بلکہ دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے تجارت نوکری کرتا، دن رات خوب محنت کرتا اور پھر

تقدیر پر بھروسہ کر کے تقدیر کا لکھا رزق حاصل کرتا ہے۔

دنیا کا کوئی انسان اولاد کی خواہش رکھ کر یہ نہیں کہتا کہ میں نکاح نہیں کروں گا، بغیر نکاح کے مجھے تقدیر میں لکھی اولاد مل جائے گی، کوئی بھی بغیر نکاح کے اولاد کے ملنے کا تصور نہیں رکھتا، نکاح کرتا اور ازدواجی زندگی گذارتا اور پھر تقدیر میں لکھی اولاد حاصل کرتا یا اولاد نہ ہو تو کہتا کہ میری تقدیر میں اولاد نہیں تھی۔

کوئی بھی انسان بیمار ہو جانے کے بعد بغیر علاج کرائے تقدیر کا سہارا لیکر یہ نہیں کہتا کہ میں علاج نہیں کراؤں گا، بغیر علاج کے تقدیر میں جب صحت ہونا ہے ہو جائے گی؛ بلکہ ذرا سی تکلیف پر علاج کرواتا اور آخر میں کہتا ہے کہ میری تقدیر میں صحت نہیں لکھی تھی۔

کوئی بچپن ہی میں مر جائے یا بھر پور جوانی میں مر جائے تو کہتے ہیں کہ اس کے مقدر میں اتنی ہی عمر لکھی ہوئی تھی، اس لئے وہ دنیا سے چلا گیا، دنیا کا معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا کبھی بھی تقدیر پر بھروسہ کر کے آگ میں نہیں کودتا؛ بلکہ آگ گھر میں لگ جائے تو فوراً بچتا بچاتا بھاگتا، وہیں ٹھہر کر یہ نہیں کہتا کہ اگر مقدر میں جلنا ہے تو میں جل جاؤں گا، کوئی بھی تقدیر پر بھروسہ کر کے پانی میں نہیں کودتا؛ بلکہ سیلاب آجائے تو فوراً بچاؤ کے لئے دور محفوظ مقام پر چلا جاتا ہے، سیلاب میں کھڑے رہ کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ تقدیر میں ڈوبنا نہیں ہے تو میں پانی میں نہیں ڈوبوں گا، تقدیر پر بھروسہ کر کے کوئی انسان بھی بجلی کے وائر کو نہیں پکڑتا، اور یہ نہیں کہتا کہ مقدر میں جلنا ہے تو جلوں گا ورنہ نہیں؛ بلکہ ہر کوئی احتیاط کرتا ہے، تقدیر پر بھروسہ کر کے دُکان اور مکان کو قفل ڈالے بغیر کھلا چھوڑ کر نہیں جاتے۔

اللہ کی عبادت واطاعت میں تقدیر کا عذر پیش کرنا جہالت ہے

مگر دین کے کاموں میں اللہ کی اطاعت وعبادت کے لئے تقدیر اور مقدر کا سہارا اور بہانہ لیکر کہتے ہیں کہ اللہ اگر میرے مقدر میں حج کرنا لکھا ہوگا تو حج کروں گا، نماز پڑھنا لکھا ہوگا تو نماز پڑھوں گا، شرک سے بچنا لکھا ہوگا تو شرک سے بچوں گا، رسول اللہ ﷺ کی

سنتوں پر چلنا ہوگا تو سنتوں پر چلوں گا، اسلام پر چلنا لکھا ہوگا تو اسلام پر چلوں گا، آپ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے اسلام پر چلنے کی توفیق دے، غذا سامنے رکھ کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ اگر یہ غذا میرے مقدر کی ہے تو خود بخود میرے منہ میں چلی جائے گی، جس طرح جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محنت اور جدوجہد کرنے میں تقدیر کا سہارا نہیں لیتے ویسے ہی آخرت میں ناکامی سے بچنے کے لئے محنت اور جدوجہد کرنے میں تقدیر کا سہارا لے کر اطاعت وعبادت سے نہیں بھاگنا۔

جس طرح دنیا کو حاصل کرنے کے لئے اسباب اختیار کئے جاتے ہیں اور باقاعدہ محنت وجستجو کی جاتی ہے، پھر تقدیر پر بھروسہ کیا جاتا ہے، اسی طرح دین پر عمل کرنے کے لئے باقاعدہ دینداری کے لئے اعمال اختیار کرنا ہوگا، تبھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کرسکیں گے، اللہ تعالیٰ کسی کو بغیر حرکت کے زبردستی اٹھا کر اطاعت نہیں کرواتا، کوشش اور جدوجہد کرنے کے بعد ہی تقدیر کا نتیجہ ظاہر ہوگا، قرآن مجید نے بار بار انسانوں کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی ہے، اعمالِ صالحہ کو پسند سے اختیار کئے بغیر انسان دیندار نہیں بن سکتا۔

اکثر لوگ دیندار بننے کے لئے عمل کی پوری طاقت رکھ کر، حالات پوری طرح قابو میں رکھ کر صحتمند ہوتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو ہم دیندار بن جائیں گے، نمازی بن جائیں گے، بے شک اللہ کی مرضی کے بغیر ہم دیندار نہیں بن سکتے، مگر اللہ کی مرضی ہم کو کب حاصل ہوگی جب ہم دین کو پسند کریں گے، دین پر چلنے کے لئے دینداری کے اعمال جان بوجھ کر اختیار کریں گے، سچائی اور حق کا ساتھ دیں گے، باپ دادا کی اندھی تقلید اور تعصب سے دور رہیں گے، نفس کی اطاعت وغلامی سے بچیں گے، ضمیر کی آواز پر نیکی اختیار کریں گے، اللہ تعالیٰ زبردستی چاہو یا نہ چاہو دیندار نہیں بناتا، جبر سے کسی کو دین پر نہیں چلاتا، اسی طرح بہت سے لوگ تقدیر کا بہانہ بنا کر اطاعتِ الٰہی سے دور رہتے ہیں، یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔

☆ مشرکین بھی کہتے تھے کہ اللہ نے چاہا اس لئے ہم شرک کررہے ہیں۔ (انعام:۱۴۸)

☆ ابوطالب نے حق جاننے، دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود حق قبول کرنا نہ چاہا۔

☆ ابوجہل، ابولہب اور عتبہ باوجود رسول اللہ ﷺ کو رسول جاننے کے تعصب، ہٹ دھرمی، انانیت اور نفس پرستی کی وجہ سے حق قبول کرنا نہ چاہا۔

☆ یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر پہچانتے تھے، مگر صرف تعصب، حسد اور جلن کی بنیاد پر حق کو قبول نہیں کیا۔ (البقرہ:۱۴۶)

☆ حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، بلال حبشی رضی اللہ عنہم نے حق کو چاہا اور حق کی تلاش میں نکل کر ایمان قبول کیا، تقدیر میں لکھی تکلیفیں جھیلیں، جس کی وجہ سے وہ صحابہ بنے۔

☆ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو یہودیوں میں پلے اور بڑے ہوئے مگر اپنی پسند سے حق کو قبول کرنا چاہا اور اپنے معاشرہ سے نکل کر اسلام میں آئے تو صحابہ کا مرتبہ پایا۔

انسان کو کسی بھی عمل سے پہلے تقدیر کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے، ہر عمل کو اختیار کرنے کے بعد عمل کے قبول ہونے یا نہ ہونے کے نتیجہ کو تقدیر پر رکھنا ہوگا، عمل کرنے کے بعد تقدیر کو ماننا عین ایمان ہے، جس طرح دنیا کی زندگی بنانے کے لئے محنت و مشقت کی جاتی ہے اسی طرح آخرت بنانے کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی گذارنے کی کوشش کرتے رہنا اور پھر تقدیر پر بھروسہ اور یقین رکھنا۔

حضرت حسین بن علیؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ ایک رات ان کے ہاں تشریف لائے، گھر پر میں اور حضرت فاطمہؓ تھے، آپ نے فرمایا: رات میں اٹھ کر تم لوگ نماز تہجد نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہماری جانیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں، وہی جب چاہتا ہے ہمیں جگاتا ہے، رسول اللہ ﷺ اسی وقت پلٹ گئے، یہ بات آپ کو انتہائی عجیب معلوم ہوئی، آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے دیکھا کہ اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: ’’انسان سب سے زیادہ جھگڑا لو واقع ہوا ہے‘‘، آپ کو سخت تعجب تھا کہ یہ بات کیسے کہی گئی، یہ بات کوئی اور کہے تو کہے؛

مگر علی کی زبان پر کیوں کر آ گئی، علی جیسا انسان جس کا دین میں اتنا بلند مقام ہے؛ ان کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ (بخاری ونسائی)

☆ بہت سے لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ تقدیر کا علم ہمارے ارادہ اور اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے، اگر کوئی کہے کہ اللہ کا علم لوگوں کو عمل کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کرتا ہے، تو یہ بالکل غلط بات ہے، انسان ہر عمل اپنی پسند و چاہت اور اختیار سے کرتا ہے، وہ جس چیز کی خواہش اور توفیق چاہتا ہے اللہ اُسے وہ چیز کرنے کی توفیق وقوت دیتا ہے، سونا اور نیند لینا چاہے تو نیند دیتا ہے، تہجد پڑھنا چاہے تو تہجد پڑھواتا ہے، البتہ اللہ تقدیر کے علم سے یہ جانتا ہے کہ کوئی چیز پہلے کیسی تھی، اب کیسی ہے اور آئندہ کیسی ہوگی۔

تقدیر کے بھروسہ پر آخرت کی تیاری ترک نہیں کرنا چاہئے!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ میں لکھا جا چکا ہے، (یعنی اللہ کے علم میں ہے کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے)، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! تو کیا ہمیں اپنی لکھی ہوئی تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ جانا چاہئے؟ عمل کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے، (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے تو پھر ہم تقدیر کا سہارا لے کر عمل کا سردرد کیوں مول لیں؟) آپ نے فرمایا: نہیں! عمل کئے جاؤ، تم کو کیا خبر ہے کہ اللہ کے علم میں کیا چیز طے شدہ ہے، فضول بحثوں میں مت پڑو، تم عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے، یعنی جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو نیک کام کرنے کی سعادت اور ان میں آسانی ہوگی اور اسی کی توفیق ملے گی، اور جو کوئی بد بختوں میں سے ہے تو اس کو شقاوت، برائی اور بدبختی والے اعمال ہی کی توفیق ملتی ہے، (بخاری ومسلم) یعنی ہر شخص کی طبیعت اور مزاج وہی اعمال پسند کرے گی جس کی منزل طے شدہ ہے۔

اس کے باوجود ذرا غور کیجئے کہ قرآن مجید نے بار بار انسانوں کو ایمان اور اعمال

صالحہ کرنے کی ترغیب و تعلیم دی ہے، بہت سارے مقامات پر میدانِ حشر، جنت و جہنم کے انعامات اور عذابات کا ذکر کیا ہے، پچھلی قوموں کی نافرمانیوں اور اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے تذکرے کئے گئے ہیں، تا کہ سمجھدار انسان عقل و فہم کو صحیح استعمال کر کے اللہ کی اطاعت و بندگی میں زندگی گذارے اور اللہ کی نافرمانی سے بچے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے، انسان کی سدھار کے جو طور طریقے تھے ان سب کا انتظام کیا گیا، ہر زاویہ سے انسانوں کو سمجھایا، نافرمانوں پر اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے جلدی سے عذاب نازل نہیں کرتا، سدھرنے اور سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔

جس طرح ایک استاد اپنی کلاس میں پڑھنے والے طلبہ کے بارے میں جانتا ہے کہ کون ذہین ہے اور پڑھنے میں تیز ہے، کون عقل و شعور سے خالی ہے، کون پڑھائی میں دلچسپی رکھتا ہے اور کون نہیں، کون کھیل کود کا شوقین ہے؟ کون غیر حاضر رہتا ہے، کون سبق یاد کرتا ہے اور کون نہیں کرتا، کون پڑھائی میں پوری محنت اور دلچسپی رکھتا ہے تو وہ امتحان سے پہلے جانتا ہے کہ کون کامیاب ہوگا اور کون فیل ہوگا، اس کے باوجود ہر روز ان کو پڑھاتا ہے، ان پر محنت کرتا ہے، اس کے اس طرح علم رکھنے سے طلبہ کے امتحان دینے اور پرچہ لکھنے پر کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ اپنے علم کی بناء پر کسی کو فیل یا پاس نہیں کرتا، وہ جاننے کے باوجود سارے طلبہ کو امتحان میں بیٹھنے، قلم کاغذ، کرسی، میز اور وقت و مہلت سب کچھ دیتا ہے اور جوابات کا پرچہ لکھنے کے بعد کامیاب اور فیل کا نتیجہ ظاہر کرتا ہے، (مثال رہبری کیلئے ہے برابری کیلئے نہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ساری مخلوقات کی مکمل معلومات رکھتا ہے، کامیاب اور ناکام ہونے والے انسانوں کی سدھار کے سارے انتظامات کر رکھے ہیں، ان کو مہلت پر مہلت دے رہا ہے اور ان کو اپنے اختیار و آزادی سے عمل کرنے کی چھوٹ دے رکھی ہے۔

تقدیر پر ایمان سے زبردست صبر پیدا ہوتا ہے

الَّذِیْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِیْبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعونَ o جب ان پر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور

ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(البقرہ:۱۵۶)

اسلام نے ایمان والوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہر مصیبت و ناکامی اور پریشانی میں اس آیت کو زبان سے ادا کرتے رہو، اس سے انسانوں کو یہ احساس پیدا ہوگا کہ کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور میں خود بھی اللہ کی ملکیت ہوں، کوئی دوسرا مالک نہیں، ہم سب کو ایک نہ ایک دن لوٹ کر اُسی کے پاس جانا ہے، ہمیں تمام نعمتیں تقدیر کی وجہ سے امتحان کے لئے ملتی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کی موت پر شوہر سے یہی سوال کیا تھا کہ چیز جس کی ہے وہ اگر واپس مانگ لے تو کیا ہمیں کوئی اعتراض کرنا چاہئے؟ انسان کو خوشی و غم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا ہے، جب اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ اس کا مالک ہے اور تقدیر کی وجہ سے امتحان کے لئے مجھے دی گئی تھی تو نقصان ہونے یا چھوٹ جانے کے باوجود پھر وہ گھبراتا نہیں، اس میں صبر پیدا ہوتا ہے۔

انسان جب کسی بھی چیز کو اللہ کی جانتا ہے تو گلہ شکوہ، رنج و ملال نہیں کرتا، وہ یقین رکھتا ہے کہ تمام نعمتیں امتحان کے لئے عارضی طور پر دی گئی ہیں، مجھے بھی ایک دن یہاں سے جانا ہے، باقی رہنے والی کوئی نعمت نہیں ہے، اللہ مختلف حالات کے ذریعہ میرا امتحان لے گا۔

نفع اور نقصان تقدیر کے تحت ہی ہوتا ہے

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے، (یہ سب اس لئے ہے تاکہ) جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو

اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ، اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔ (الحدید:۲۲،۲۳)

اللہ تعالیٰ جب دنیا کو امتحان کی جگہ بنایا ہے تو دنیا کی چیزوں اور انسانوں کے اعمال میں نفع ونقصان رکھا ہے، اور پھر انسانوں کو گمراہی سے بچانے اور اسباب سے نفع ونقصان کا تصور نہ رکھنے کے لئے اپنے نافع وضارّ ہونے کا احساس دلایا کہ سوائے اللہ کے مخلوقات کو نفع ونقصان دینے والا کوئی نہیں، اس نے انسانوں اور جنوں کا امتحان لینے تقدیر کے ذریعہ نفع ونقصان کا طریقہ رکھا اور یہ تعلیم دی کہ وہ انسانوں کو خوف، بھوک، پیاس، مالوں اور تجارتوں میں نقصان دے کر اور موت دے کر آزمائے گا، اس نے دنیا میں ایسا نظام بنایا کہ انسان پر بیماری، تندرستی، خوشحالی، پریشانی، غریبی، امیری، ظلم وناانصافی، امن و سکون، بے ایمانی، کامیابی وناکامی، عزت وذلت، زلزلے، طوفان، آندھی، قحط، فسادات، قتل وغارت گری، عذابات، یہ سب حالات آئیں گے اور یہ سارے حالات تقدیر ہی کی وجہ سے آئیں گے، ان تمام حالات پر ایمان کے ساتھ صبر وشکر کرنے پر آخرت میں بدلہ اور انعام ملے گا، یہ حالات انسانوں پر کسی مخلوق کی طرف سے نہیں آئیں گے؛ اس لئے کہ نفع اور ضرر کی قوت سوائے اللہ کے کسی میں نہیں، سوائے اللہ کے کوئی مخلوق کسی کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ نفع پہنچا سکتی ہے۔

جب انسان فائدہ اور نقصان پر اللہ کی ان دونوں صفات پر نظر رکھے گا تو اس میں اللہ پر اعتماد اور بھروسہ اتنا زبردست پیدا ہوگا جس سے وہ مخلوق کو بے حیثیت سمجھے گا اور مخلوقات کے ڈر خوف سے دور رہ کر پورے اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے کاموں میں لگا رہے گا، اللہ پر توکل کرتے ہوئے صبر وشکر کا اظہار کرے گا، اور ہر مصیبت وپریشانی میں **انّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن** پڑھے گا اور عمل سے اس بات کا ثبوت دے گا کہ دل میں نقصان، خوف، درد وغم ہونے، آنکھوں سے آنسو نکلنے اور نقصان وناکامی کے باوجود وہ اپنی عقل کو نفس پر غلبہ دیا ہوا ہے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے دور رکھ کر نظر صرف اللہ پر

جمائے رکھا ہے کہ اللہ ہی نافع و ضار ہے اور وہ میرے حالات سے پوری طرح واقف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے ابراہیم کی موت پر آنکھوں سے آنسو آنے کے باوجود اللہ کی تقدیر پر بھروسہ کر کے کہا تھا کہ آنکھیں آنسو بہا سکتی ہیں اور دل غمزدہ ہو سکتا ہے؛ مگر زبان **اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن** ہی کے الفاظ ادا کرے گی، صحابہؓ میدانِ جنگ میں شہادت سے پہلے مرتے مرتے کہتے کہ ''رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا''، وہ نقصان، خوف، بھوک پیاس اور پریشانی میں آپے سے باہر نہیں ہو جاتے تھے، ہوش و حواس نہیں گنواتے اور نہ خلافِ شریعت حرکتیں کرتے تھے۔

ہر چیز کو اللہ کی امانت اور ملکیت جان کر اللہ ہی سے نفع و نقصان کا عقیدہ رکھتے تھے اور تقدیر کے فیصلہ پر راضی رہ کر صبر کرتے تھے، مال و دولت یا دُکان و مکان لُٹ جائے یا جل جائے، کاروبار ٹھپ ہو جائے، گھر اُجڑ جائے، شوہر یا اولاد قتل ہو جائیں، سب حالات کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر تقدیر کا فیصلہ جانتے ہوئے اور اللہ ہی کو نفع و نقصان دینے والا سمجھتے تھے، وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، مالک اپنی چیز کو جب چاہے جیسا چاہے استعمال کر سکتا ہے، وہ اسباب کے ذریعہ انسانوں پر مختلف حالات لا کر ان کا امتحان لے سکتا ہے، اللہ نے دنیا کو امتحان کے لئے دارالاسباب بنایا، لہٰذا جو بھی حالات ہم پر آرہے ہیں وہ اسباب کی وجہ سے نہیں اللہ کی طرف سے اور اللہ کی مشیت اور مرضی سے آرہے ہیں اور تقدیر میں لکھا ہونے کی وجہ سے آرہے ہیں۔

مشرکین تقدیر پر ایمان نہ رکھ کر اسباب کو نافع و ضار سمجھتے ہیں

جب انسانوں کا عقیدہ تقدیر پر نہیں ہوتا تو وہ نفع و نقصان کے حالات میں اللہ کو نافع و ضار سمجھنے کے بجائے مخلوق پر نظر جما لیتے ہیں اور نفع و نقصان کو مخلوق سے جوڑتے ہیں، نفع و نقصان کو اسباب سے جوڑنا شرک ہے، مشرکین اللہ کو نافع و ضار نہیں سمجھتے، جس کی وجہ سے وہ ہر وہ چیز جس سے بظاہر فائدہ ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جس سے بظاہر نقصان

ہوتا ہے ان سے محبت کرتے اور ڈرتے ہیں، ان سے بننے بگڑنے کا تصور قائم کر لیتے ہیں، مثلاً سانپ کے زہر سے انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے، اس سے ڈر کر اس کی پوجا کرتے ہیں، وہ یہ غور نہیں کرتے کہ سانپ کے زہر میں مرنے کا اثر کس نے پیدا کیا اور سانپ کس کے حکم سے کاٹتا ہے اور پھر ہر سانپ کے زہر میں اثر نہیں ہوتا۔

☆ سمندروں اور دریاؤں سے طوفان آنے اور تباہی مچانے پر دریاؤں سے ڈرتے اور ان کی ہر سال پوجا کرتے ہیں، وہ یہ غور نہیں کرتے کہ سمندروں اور دریاؤں میں ہلچل کون پیدا کرتا ہے؟ کس کے حکم سے طوفان آتا ہے۔

☆ اسی طرح زمین سے زلزلے آنے یا ہواؤں سے آندھی طوفان آنے یا ابر اور برسات کے بادل نہ برسنے یا نباتات، غلہ، اناج دواؤں کے ملنے، جانوروں سے فائدہ ہونے، آگ اور گرمی اور سورج سے جسموں میں حرارت رہنے اور فائدے ہونے کو بظاہر دیکھ کر ان کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں، وہ یہ تصور نہیں رکھتے کہ یہ تمام اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر سے آتے اور جاتے ہیں۔

☆ اسی طرح انسانوں میں چمتکار اور غیر فطری عادتیں ظاہر ہونے یا بغیر باپ کے پیدا ہونے یا دُکان، سواریوں، اوزاروں، مشینوں اور ترازو سے نفع ونقصان کا تصور رکھ کر ان کی بھی پوجا و پرستش کرتے ہیں، وہ قطعی یہ نہیں سوچتے اور سمجھتے کہ اللہ نے تقدیر کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور زندگی کے کاروبار چلانے کے لئے تقدیر کے ذریعہ یہ سب انتظامات کیا ہے اور امتحان لے رہا ہے۔

اسی طرح تقدیر پر عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے دِنوں، تاریخوں، مہینوں، وقت، عورت، گھروں اور زمین سے نفع ونقصان کا عقیدہ رکھ کر شادی بیاہ اور کاروبار نہیں کرتے، حالانکہ اللہ نے دن، تاریخ اور وقت انسان کو اچھے بُرے اعمال کرنے کو تقدیر کے ذریعہ بنایا اور امتحان رکھا، انسان اپنے اعمال ہی سے وقت کو اچھا یا بُرا بنا سکتا ہے، نفع ونقصان وقت میں نہیں انسان کے اعمال میں رکھا ہے۔

تقدیر پر عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے دیوی دیوتاؤں کی مخالفت کرنے کو بربادی کا ذریعہ

تصور کرتے ہیں، مخالفت سے نقصان اور آفتوں میں مبتلا ہونے کا تصور رکھتے ہیں، کفارِ مکہ رسول ﷺ سے کہتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو، یہ زبردست باکرامت ہستیاں ہیں، ان کی توہین جس نے بھی کی وہ تباہ ہوگیا، تمہاری نرینہ اولاد اسی وجہ سے مرگئی، تم بھی اپنی باتوں سے باز آجاؤ؛ ورنہ برباد ہوجاؤ گے، یہ بت ناراض ہوجائیں گے تو تم پر آفت آئے گی، رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کے انتقال کے وقت سورج گہن تھا، لوگوں نے یہ تصور کیا کہ کسی بڑے انسان کی موت کی وجہ سے سورج پر گہن لگتا ہے۔

مشرک لوگ تقدیر پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے توہم پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں، چنانچہ سفر پر جانے سے پہلے بتوں کے نام کی تیروں سے فال نکالتے تھے، پرندوں کو اُڑا کر سمت سے نفع ونقصان کا اندازہ لگاتے تھے، یا غلط گمان پر گھروں میں پیچھے کی دیوار پھلانگ کر آتے تھے، یا پہلا گاہک بحث وتکرار کرنے والا آئے، سامان نہ خریدے یا اُدھار سامان مانگے تو دن کے خراب گذرنے کا تصور کرتے ہیں یا پہلا گاہک سامان اچھا خریدے تو دن بھر اچھا گذرنے کا احساس رکھتے ہیں، پرندوں طوطا، مینا سے قسمت معلوم کرتے، سائیکل موٹر یا کار ایکسیڈنٹ ہوجائے تو اُسے منحوس تصور کرتے ہیں، کسی ندی پر سے ریل یا موٹر چلے تو ڈر سے پوجا کے لئے پانی میں پیسے پھینکتے ہیں۔

مشرکین اللہ کو نافع وضار نہ سمجھنے کی وجہ سے تقدیر کے تحت مختلف حالات سے آزمائش کا عقیدہ ہی نہیں رکھ سکتے، ان کا یہ عقیدہ ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کی مرضی ومشیت کے بغیر کوئی چیز کسی کو نفع ونقصان نہیں دے سکتی، کوئی بھی اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اسباب میں اپنی طرف سے نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت نہیں۔

☆ اللہ نے پانی میں نفع ونقصان دونوں رکھے ہیں؛ مگر جب تقدیر کے تحت کسی کو پانی میں ڈوب کر مرنا ہے تو وہی پانی اللہ کے حکم سے اس کے لئے نقصاندہ ثابت ہوتا ہے۔

☆ اللہ نے زمین سے نفع ونقصان دونوں رکھے ہیں، مگر جب تقدیر کے تحت کسی کو زلزلوں کے ذریعہ مرنا ہے تو زمین اللہ کے حکم سے اس کے لئے نقصاندہ ثابت ہوتی ہے۔

☆ اللہ نے ہواؤں سے نفع ونقصان دونوں رکھے ہیں،مگر جب تقدیر کے تحت آندھی اورطوفان سے کسی کو مرنا ہے تو اللہ کے حکم سے ہوا اس کے لئے نقصاندہ ثابت ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اسباب میں جو اثر چاہے پیدا کرسکتا ہے۔

اسباب سے نفع ونقصان کا عقیدہ رکھنے والے مسلمان

اگر تقدیر پر ایمان کمزور ہو یا صحیح نہ ہو تو ایمان کا دعویٰ کرکے بھی مسلمان غیر مسلموں کی طرح اسباب سے اور مخلوقات سے نفع ونقصان کا عقیدہ رکھتے ہیں، موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمان اللہ کی پہچان ہی صحیح نہیں رکھتے اور اللہ کے تعارف سے دور نظر آتے ہیں، وہ زبان سے اللہ پر ایمان کا دعویٰ تو ضرور کرتے ہیں مگر اللہ ہی کو نافع وضار کی قوت رکھنے والا نہیں سمجھتے، تقدیر کو برائے نام باپ دادا کی نقل میں مان کر اسباب سے نفع ونقصان دینے والا سمجھتے ہیں۔

☆ تقدیر پر عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ تقدیر میں لکھی اولاد کو اللہ سے مانگنے کے بجائے ولیوں، بزرگوں، قبروں، جھنڈوں، علموں اور درگاہوں پر جاکر مانگتے ہیں اور اپنے لئے اولاد کی درخواستیں لگاتے ہیں۔

☆ تقدیر پر عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ تقدیر میں لکھے رزق، نوکری، تجارت میں برکت، تندرستی، بیماری سے شفاء، اولاد کی عمر درازی، نرینہ اولاد کو اللہ سے مانگنے کے بجائے درگاہوں، جھنڈوں اور علموں سے منتیں مانگ کر طلب کرتے ہیں۔

☆ ولیوں اور بزرگوں کو تقدیر بنانے یا بگاڑنے والا سمجھتے ہیں۔

☆ بعض بزرگوں کے نام کی منت پوری نہ کرنے پر یا اولاد کو صحت ملنے کے بعد عمر درازی کے لئے اور بیمار نہ ہونے کے لئے بزرگ کا ڈر اور خوف سے ہر سال منت پر منت ان کی قبروں پر جاجاکر کرتے یا چڑھاوے، نیاز، گیارہویں شریف، کونڈے، عرس کو برکت پیدا ہونے یا درگاہوں کی زیارت کرنے بزرگ کو خوش رکھنے کے عقیدہ سے کرتے رہتے ہیں، زندہ بزرگ کے ناراض ہونے پر کاروبار میں برکت ختم ہونے کا تصور رکھتے ہیں۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ حقیقت بن جاتے ہیں، اس سے قسمت چمکتی ہے، یا پھر ان کو ناراض کرنے سے قسمت بگڑ جاتی ہے، ان کے خلاف شریعت کے کاموں پر منہ کھولنے کو اپنی ناکامی، بربادی اور تباہی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

☆ کسی کمزور عقیدہ والے پر مصیبت آتی ہے تو وہ تقدیر کی لکھی مصیبت سمجھنے کے بجائے جادوٹونا تصور کرکے عاملوں، جاہلوں کے پاس جاتا ہے، روحانیت کا جھوٹا لباس پہنے عامل اور جادوگر تقدیر پر کمزور ایمان رکھنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

☆ اچھی اور بُری قسمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، وہی امتحان کی خاطر نفع دیتا یا نقصان میں مبتلا کرتا ہے، پریشانی اور مصیبت سوائے اس کے کوئی دور نہیں کرسکتا، کسی میں طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی تقدیر کو بدل سکے یا بنا سکے، اگر انسان اللہ کو نافع اور ضار سمجھتا ہے اور تقدیر پر مضبوط ایمان رکھتا ہے تو کسی مخلوق کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

جب انسان کو شعوری و حقیقی ایمان نہیں ملتا اور وہ خاندانی ،نسلی، قانونی اور بے شعوری والا ایمان رکھتا ہے تو زندگی کے تمام کاموں میں اللہ پر نظر رکھنے کے بجائے اسباب کو اصل سمجھتا اور اسباب سے نفع ونقصان کا تصور رکھتا ہے۔

☆ اکثر مسلمان غیر مسلموں کی طرح ۳؍تاریخ اور ۱۳؍تاریخ، یا منگل اور چہارشنبہ کے دنوں کو منحوس سمجھتے ہیں، ان دنوں میں شادی وغیرہ کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں، چہارشنبہ کو کوئی مرجائے تو خاندان میں چار انسانوں کے مرجانے کا تصور کرتے ہیں، اکثر لوگ محرم اور صفر کے مہینوں کو منحوس سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ نے کسی دن، مہینہ اور تاریخ کو منحوس نہیں بنایا۔

☆ اُلّو رات کے وقت گھر پر بیٹھ کر نہ پکارے، اس کے پکارنے سے گھر میں کسی کی بھی موت واقع ہونے کا تصور رکھتے ہیں، وقت سے پہلے کوئی نہیں مرتا، ہر انسان کی تقدیر میں اس کے مرنے کا وقت لکھا ہے۔

☆ ٹرین یا ہوائی جہاز کا ایکسیڈنٹ ہوجائے یا لوگ مرجائیں تو جس کو ٹرین یا ہوائی

جہاز نہ ملے، سفر چھوٹ جائے تو کہتا ہے کہ اچھا ہوا میری کار فیل ہوگئی یا میں دیر سے پہنچا، جس کی وجہ سے ٹرین چھوٹ گئی؛ ورنہ میں بھی مرجاتا، حالانکہ یہ بھی دیکھا گیا کہ کسی کو ٹرین چھوٹ جانے پر وہ ٹیکسی پکڑ کر آگے اسٹیشن پر ٹرین کو جا کر پکڑا اور پھر ٹرین آگے جا کر حادثہ کا شکار ہوگئی اور وہی ڈبہ جس میں وہ سوار تھا ندی میں گر گیا اور وہ مرگیا، جب وقت آتا ہے اور تقدیر میں حادثاتی موت لکھی ہو تو خود بخود موت کے مقام پر آجاتے ہیں، ''تم جہاں بھی رہو تم کو موت آکر پالے گی، اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں ہو''۔ (النساء:۱۱)

☆ کوئی کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں ڈگری اور کورس کر لیتا تو خوب کما سکتا تھا، کوئی کہتا کہ میں آج جس مقام پر ہوں وہ میرے ماں باپ کی محنتوں کی وجہ سے ڈاکٹر، انجینئر اور جج بنا؛ ورنہ معمولی انسان رہتا تھا، میرے ماں باپ نے مجھے یہ ڈگری و ہنر سکھایا ہے جس کی وجہ سے میں محنت اور ذاتی کوششوں اور ہنرمندی سے مال کمارہا ہوں؛ ورنہ فقیر رہتا۔

☆ کوئی کہتا ہے کہ آج صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی فلاں کی صورت دیکھا، یا دُکان کھولتے ہی پہلا گاہک اچھا نہیں آیا، دام میں جھگڑا کیا جس کی وجہ سے دن بھر کا کاروبار خراب ہوگیا، دھندا نہیں ہوا، یا بازو دُکاندار نے میرے گاہکوں کو بھٹکا دیا، یا میری دُکان کی سجاوٹ بازو والے کے مقابلہ میں اچھی نہیں ہے، یا آج کل کاروبار بہت کمزور چل رہے ہیں، حکومت کی نااہلی کی وجہ سے کاروبار بیٹھ گیا ہے۔

☆ کوئی کہتا ہے کہ آسمان پر دُمدار ستارہ نظر آیا، میں نے اُسے دیکھ لیا، اب میرے لئے نحوست رہے گی، نقصان ہوگا، کوئی کہتا ہے کہ آسمان پر فلاں تارا نظر آیا، اب خوب بارش ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ حکومت نے پہاڑ اور درخت کاٹ دئے اور جنگل ختم کر دئے اس لئے بارش نہیں ہو رہی ہے۔

☆ شادی کے بعد اگر کسی کا شوہر مرجائے یا کاروبار ختم ہوجائے یا نوکری یا گھر کا کوئی بڑا آدمی مرجائے تو گھر کے اہم لوگ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی منحوس ہے، اس کے قدم اس گھر میں پڑتے ہی بربادی آگئی، اس کے قدم منحوس ہیں، اس نے شوہر کو کھالیا، کاروبار ختم

ہو گئے، اس کی وجہ سے نحوست چھا گئی، اس طرح کی بدگمانی کرنا شرک ہے، عقیدہ تقدیر کے خلاف ہے، اللہ شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا، کسی کے گھر میں آنے سے موت نہیں ہوتی اور نہ رزق رُکتا ہے، تقدیر کے اچھے بُرے پر یقین رکھنا ایمان والوں کا کام ہے، یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، یہاں اس قسم کے حالات آتے جاتے رہیں گے، اس قسم کی باتیں تقدیر پر کمزور ایمان والے ہی کرتے ہیں، اس سے انسان کا عقیدہ اسباب سے بننے بگڑنے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ پر نہیں اسباب کو نفع ونقصان دینے والا سمجھتے ہیں، ان کی نظر اللہ پر نہیں اسباب پر ہے۔

☆ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، آپ نے فرمایا: تم نے مجھے اللہ کا ہمسر بنا دیا، صرف یہ کہو جو اللہ چاہے۔

☆ گھر اور دُکان میں آگ لگ جائے تو کہتے ہیں کاش میں بجلی کا میٹر بند کر دیا ہوتا، گھر یا دُکان میں چوری ہو جائے تو کہتے ہیں کاش گھر پر چوکیدار یا کتا رکھا ہوتا تو چوری نہ ہوتی۔

☆ کسی کا موٹر کے سفر میں حادثہ ہو جائے اور ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں تو کہتا ہے کہ کاش میں آج اس دن سفر نہ کرتا یا موٹر سے جانے کے بجائے ٹرین یا ہوائی جہاز سے چلا جاتا تو بچ جاتا اور ایکسیڈنٹ نہ ہوتا، یہ مصیبت دیکھنی نہ پڑتی۔

☆ کسی کی لڑکی خوبصورت ہو اور وہ غریب ہو تو کہتا کہ کوئی دولت مند بڑا آدمی میری بیٹی کی خوبصورتی کو دیکھ کر بغیر پیسے کے شادی کر لے گا، اور اگر کوئی لڑکی خوبصورت نہ ہو اور روپیہ پیسہ خوب ہو تو کہتا ہے کہ کوئی بھی میری دولت کو لے کر بیٹی سے شادی کر لے گا۔

☆ بیوی کو تین چار ایک ساتھ لڑکیاں پیدا ہو جائیں اور لڑکا نہ ہو تو بیوی سے ناراض ہو جاتے یا طلاق دے دیتے ہیں، یہ بات تقدیر کے بالکل خلاف اور اللہ کو خالق نہ ماننا ہے۔

☆ اعلیٰ ڈگری، دولت، عہدہ اور کرسی حاصل کر کے خود کو قارون کی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ میری ذاتی محنت اور قابلیت کا نتیجہ ہے۔

☆ کوئی کہتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر کے پاس جاتے یا فلاں دوا استعمال کر لیتے تو اچھے ہو

جاتے، کوئی کہتا کہ فلاں چیز کھانے سے صحت مل گئی اور اچھا ہو گیا، مگر تقدیر پر نظر نہیں رکھتے۔

☆ دوسروں کے پاس، دولت، اولاد، حسن، ڈگری، ترقی، مکانات، تجارت، نوکری، خوش حالی دیکھ کر بعض لوگ جلن اور حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ سب اللہ کی تقدیر نہیں سمجھتے، تقدیر کے مطابق ملنے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

☆ اپنی غربت اور اَن پڑھ رہنے کو ماں باپ پر غصہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہوں نے ہم کو پڑھانے لکھانے کے بجائے بچپن سے محنت مزدوری کرنے پر لگا دیا، اَن پڑھ اور جاہل رکھا، اگر لکھنا پڑھنا جانتے تو دولت مند رہتے۔

☆ جب کوئی مصیبت اور تکلیف آ جائے تو فوراً بددل اور مایوس ہو جاتے، آزردہ ہو جاتے ہیں، ہمت و حوصلہ کھو دیتے ہیں، حکومت، پولیس، منسٹر اور لیڈر کو ذمہ دار ٹھہراتے اور ان سے بننے اور بگڑنے کا تصور رکھتے۔

☆ کسی انسان کی طرف سے نقصان، دھوکہ، بے ایمانی اور قتل پر غصہ ہو کر انتقامی کیفیت میں قتل و خون خرابہ پر اُتر آتے ہیں، یہ سب کی سب کیفیات صرف ایک سوچ اور عقیدہ پر ختم ہو جاتی ہے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے میرا امتحان لینے تقدیر میں لکھا گیا تھا، اور یہ ہونا ہی تھا ہو کر رہا، یہ ٹل نہیں سکتا تھا، غم، غصہ، رنج و صدمہ یا مایوسی اور جھنجھلاہٹ سب کا سب ختم ہو جاتا ہے۔

اگر آپ پر کوئی ظلم کرے تو دو راستے ہیں، چاہے تو بدلہ لیں، چاہے تو معاف کر دیں، اللہ کے پاس بدلے کی امید رکھیں، آخرت کے دن انصاف و عدل کی امید رکھیں، قرآن حکیم اور حدیث میں فطرت انسانی سے بہت قریب تر اور متوازن تعلیم دی گئی۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو تمام دنیا کے انسان مل کر اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر اللہ کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے تو دنیا کے تمام انسان مل کر بھی اس کو فائدہ پہنچانے سے روک نہیں سکتے، جس کی تقدیر میں جو ہے وہ امتحان اور آزمائش کے لئے ہو کر رہے گا، دنیا کے امتحان گاہ ہونے کی وجہ سے انسانوں پر

جو حالات آنا ہے وہ آ کر رہیں گے چاہے وہ کچھ بھی حفاظت اور تدبیر کر لیں۔

تقدیر پر ایمان برائے نام یا کمزور ہو تو دل کسی کام میں مطمئن نہیں رہتا، ہمیشہ منفی سوچ، پریشانی اور بے اطمینانی کی حالت میں مبتلا رہتا ہے، شکوک وشبہات، گھبراہٹ اور تفکرات میں مبتلا رہتا ہے۔

غیر ایمان والا تقدیر کو برائے نام اور کمزور طریقے سے مان کر اپنے کاروبار اور زندگی کے مختلف کاموں میں بے سکونی کی حالت میں رہتا ہے، اس کے برعکس ایمان والا تقدیر پر مضبوط ایمان کی وجہ سے منفی حالات میں بھی سکون واطمینان میں رہتا ہے، کمزور ایمان والے حالات سے گھبرا کر خودکشی کر لیتے ہیں یا ناامید ہو جاتے ہیں، اور اُلٹا پریشانی میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے مصیبت اور تکالیف کے دُکھڑے سناتے روتے پھرتے ہیں، اس کے برعکس خوشحالی میں خوشحالی کے واقعات سناتے نہیں پھرتے بلکہ چھپاتے ہیں، یہ ناشکرا پن ہے۔

☆ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بیٹے کے گم ہو جانے اور دوسرے بیٹے بنیامین کے بھی چھوٹ جانے پر صبر اختیار کئے اور تقدیر پر بھروسہ کیا۔

☆ حضرت ایوب علیہ السلام سب کچھ چھوٹ جانے، بیماری میں مبتلا ہو جانے کے بعد بھی صبر اختیار کر کے تقدیر پر جمے رہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کمزور ہونے سے بہت سارے لوگ ناکام زندگی گذارتے ہیں، ان کو یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ اللہ کا علم ہر شئے کو گھیرا ہوا ہے، ان پر جو بھی حالات آئے ہیں ان سب سے اللہ پوری طرح واقف ہے، جس طرح مچھلی کم پانی میں بے چین بے قرار رہتی ہے، اسی طرح تقدیر پر کمزور ایمان والے انسان زندگی کے معمولات میں بے چین و بے قرار اور غیر مطمئن رہتے ہیں، ایسے لوگ غربت، مفلسی، بے بسی، فاقہ کشی، بیماری، پریشانی اور بے روزگاری میں اپنی حالت پر تقدیر کو دوش دیتے اور دنیا کی زندگی کو امتحان نہیں سمجھتے، اسی طرح دولتمند عیش وعشرت والے عہدے، کرسی، مال و دولت کو اپنی ذاتی محنت، ذاتی

کوشش تصور کرتے ہیں اور اللہ کی تقدیر کا احساس ہی نہیں رکھتے، حالانکہ یہ سب حالات انسان پر امتحان کے لئے تقدیر میں لکھے گئے ہیں، دولت کا ملنا، خوشحالی کا ملنا یا غربت و مفلسی میں رہنا دونوں بھی امتحان ہے، ایمان والا ہر حال میں ایمان کی وجہ سے اللہ پر نظر رکھتا ہے، بعض جاہل عورتیں شوہر کے بھری جوانی میں انتقال کر جانے پر بیان کر کر کے روتی ہیں اور روتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھری جوانی میں چھوڑ کر چلے گئے، اب میرا اور بچوں کا کیا ہوگا؟ ان کو کون دیکھے گا؟ کیا تم میری زندگی میں اس لئے آئے تھے؟ کوئی تو جوان بیٹا مر جائے تو اللہ سے شکایت کرتی ہیں کہ آخر میرے ہی بیٹے کو موت دینا تھا، بال نوچتیں، ماتم کرتیں، چیختیں چلاتیں، بیان کر کر کے روتی ہیں اور کہتی ہیں ہائے اللہ تو نے یہ غم کیوں دیا؟

موت پر چیخنا چلانا، ماتم کرنا، بیان کر کر کے رونا گویا اللہ کے فیصلہ پر غصہ ظاہر کرنا، احتجاج کرنا اور تقدیر کے خلاف چلنا ہے۔

نقصانات، مصیبت، ناکامی پر شکایت کرنا، بیان کرتے پھرنا گویا اللہ کے فیصلہ پر صبر نہ کرنا اور اچھی اور بُری تقدیر سے راضی نہ رہنا ہے۔

حالات کو امتحان سمجھنے نہ سمجھنے سے متعلق انسانوں کے نظریات

اسباب کی اس دنیا میں اسباب سے نفع و نقصان ہونے پر اسباب کو اصل سمجھنا شرک ہے، تقدیر پر ایمان کے عقیدے کی وجہ سے ایمان والوں اور غیر ایمان والوں کے احساس، فکر، تصور اور نظریات و خیالات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، دونوں کے خیالات اور عقیدے الگ الگ ہوتے ہیں۔

☆ ایمان والا تقدیر پر ایمان کی وجہ سے اسباب سے نفع و نقصان ملنے کو اللہ کا امتحان سمجھ کر صبر و شکر اختیار کرتا ہے، غیر ایمان والا نفع و نقصان کو اسباب کی طرف سے سمجھتا ہے، مثلاً:

☆ کمزور ایمان والے کو جب فسادات اور لڑائی جھگڑے میں نقصان ہوتا ہے یا گھر کو آگ لگ جاتی ہے یا زلزلے اور طوفان میں وقت پر مدد نہیں آتی تو وہ تقدیر کا امتحان سمجھ کر

اللہ پر نظر رکھنے کے بجائے حکومت اور اس کے عہدیداروں کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ اگر وقت پر آتے تو میرا نقصان نہیں ہوتا، میری دُکان یا مکان بچ جاتے، یا میرا بیٹا بیٹی، والدین یا اہل وعیال بچ جاتے، پولیس وقت پر آتی تو دُکان لوٹنے سے بچ جاتی، حکومت اور پولیس نے میری دُکان اور مکان کی حفاظت نہیں کی، فائر انجن والوں کی لاپرواہی سے یہ سب نقصان ہوا حکومت کی نااہلی کی وجہ سے میرے لوگ مر گئے۔

☆ تقدیر کو امتحان نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی کہتا کہ فلاں شخص کے ساتھ مشترکہ یعنی پارٹنر شپ میں تجارت نہ کرتا تو دھوکہ نہ کھاتا، میرا مال بچ جاتا۔

☆ تقدیر کو امتحان نہ سمجھ کر کوئی کہتا کہ ڈاکٹروں اور دواخانہ کے عملہ کی لاپرواہی کی وجہ سے میرا پیدا ہونے والا بچہ مر گیا، فلاں ڈاکٹر نے آپریشن غلط کیا، غلط دوا دی، وقت پر ہم مریض کو دواخانہ لیجاتے تو وہ بچ جاتا تھا، دواخانہ لے جانے میں یا ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی اس لئے وہ مر گیا۔

☆ اس کے برعکس پختہ ایمان والا زندگی کے تمام حالات میں یہ تصور اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کی مرضی یہ میرے لئے امتحان ہے، یہ میری تقدیر میں لکھا تھا، بغیر اللہ کی مرضی اور مشیت کے پتہ بھی حرکت نہیں کرتا، دنیا کی کوئی طاقت کسی کو نہ نفع پہنچاسکتی ہے اور نہ نقصان، نافع اور ضار تو صرف اللہ ہے، جب اللہ دینے پر آتا ہے تو کوئی روک نہیں سکتا، وہ جب حفاظت کرتا ہے تو زلزلے اور طوفان میں سے بھی ہم بچ سکتے ہیں، مٹی میں دبنے کے باوجود موت نہیں آتی، دولت نہ مجھے ڈگری سے ملی، نہ میری محنت سے اور نہ میری ذاتی کوششوں سے، اللہ نے مجھے امتحان کے لئے دولت دی ہے، اللہ نے میرے مقدر میں فلاں تعلیم لکھی تھی، بغیر اللہ کی مشیت ومرضی کے میری دُکان نہیں چلتی، کوئی مجھے نہ دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ لوٹ سکتا ہے۔

☆ اللہ جب پالنے پر آتا ہے اور تقدیر میں لکھتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمن فرعون کے گھر اور گود میں رکھ کر پالتا ہے، اللہ جب زندہ رکھنا چاہتا ہے تو حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو دہکتی آگ میں بھی زندہ رکھتا ہے، اللہ جب تقدیر میں زندہ رکھنا لکھا ہے تو حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ رکھا، حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکال کر مصر کے محل میں پہنچا دیا، ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو پوری حفاظت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا، اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

☆ تقدیر پر کمزور ایمان کی وجہ سے بیٹی کی طلاق ہو جانے کو امتحان نہ سمجھ کر بدلہ لینے اور لڑکے والوں کو ستانے کے لئے ڈوری کیس یا جھوٹے مقدمات ڈالے جاتے ہیں، طلاق کو کوئی بھی تقدیر کا لکھا نہیں سمجھتا، ڈوری کیس کے ذریعہ اپنا غصہ نکالنے اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔

☆ باپ، بیٹا یا بھائی کے قتل ہونے پر تقدیر کا امتحان تصور نہیں کرتے بلکہ قتل کے مقابلہ قتل کا پروگرام ڈال کر شیطان کا ساتھ دیتے ہیں۔

تقدیر پر کمزور ایمان کی وجہ سے انسان اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات کی طرف رُخ کرتا ہے اور مخلوقات سے نفع ونقصان تصور کرتا ہے، مخلوقات سے مدد مانگتا ہے، نافع وضار اللہ کو نہیں سمجھتا بلکہ مخلوقات کو نافع وضار سمجھتا ہے۔

تقدیر کے حالات پر مؤمن اور غیر مومن کی نظر

تقدیر پر ایمان مؤمن کے لئے اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، کتاب اور رسالت پر عمل کرنے سے ان کی زندگی میں جو بھی نفع ونقصان کے حالات آتے ہیں ان میں قناعت، شکر، اللہ کی عطا و دین، اللہ کی امانت، یکسوئی، توکل علی اللہ، صبر واستقامت، دنیوی طاقتوں سے بے خوفی پیدا کرتا ہے، اس کی وجہ سے انسان میں ایسی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے جو غیر مسلم اُن سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے مومن مایوسی، پریشانی، خوف، حسد، رشک، لالچ اور جلن میں مبتلا نہیں ہوتا، اور ایسے اخلاقِ رذیلہ سے بچ جاتا ہے، کتاب اور رسالت پر عمل کرنے سے جتنی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور اس دنیا میں اس کے امتحان کے لئے جو

بھی حالات امتحان کے لئے تقدیر میں لکھے گئے ہیں ان میں ثابت قدم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حالات کا خالق اور حالات کو لانے والا نہیں مانتا، کسی سے بننے اور بگڑنے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

☆ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں رہ کر کشتی والوں اور مچھلی کو دوش نہیں دیا، اللہ کے بغیر مدد کرنے والا کسی کو نہ سمجھا اور نہ ناامید ہوئے، سیدھے اللہ کو پکارا اور اللہ سے مدد مانگی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے پر نمرود اور اپنی قوم کو دوش نہیں دیا؛ بلکہ فرشتوں کی بھی مدد لینے سے انکار کر کے اللہ کو ان حالات کا جاننے والا مانا اور اللہ سے مدد کے انتظار میں رہے۔

☆ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن مچھلی نہ ملنے کو تقدیر کے لکھے کی آزمائش نہ سمجھا اور نفس و شیطان کے بہکاوے میں آ کر تاویلات کے ذریعہ دوسرے دنوں میں مچھلی کو پانی سے باہر نکال کر اپنے آپ کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔

☆ عبداللہ بن ابی منافق نے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے کو تقدیر کا لکھا نہ سمجھا، آپ اور اسلام کے ساتھ منافقت اختیار کر کے دنیا کے امتحان والی زندگی میں شیطان کا ساتھ دے کر ناکامی اختیار کی۔

☆ یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے بنی اسماعیل میں پیدا ہونے اور نبی بنائے جانے کو تقدیر کا امتحان نہ سمجھا اور باوجود اولاد سے بڑھ کر پہچاننے کے حسد، جلن، تعصب، بغض و عداوت میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور اسی پر ہٹ دھرمی کے ساتھ ڈٹے رہے۔

☆ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہونے اور رسول بنائے جانے اور ابولہب نے رسول اللہ ﷺ کے رسالت کا اعلان کرنے کو تقدیر کا فیصلہ نہ سمجھا اور نفس و شیطان کا ساتھ دے کر رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں جہنم کے راستہ پر چلے۔

☆ مدینہ کے منافقین نے مسجد ضرار بنا کر اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کے خلاف منصوبہ

بنا کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اور ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہا۔

☆ حضرت خبابؓ نے مکہ میں قتل سے پہلے اللہ کی تقدیر پر اعتماد کر کے بغیر کسی چیخ پکار، واویلا کئے اور گھبرائے بغیر اللہ کے نام پر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور اپنی شہادت سے تقدیر کے فیصلہ پر حضرت سعید بن عامرؓ کے لئے ایمان کا ذریعہ بن گئے۔

☆ مومن بے سروسامانی میں بھی ہمت نہیں ہارتا، کامیابیوں پر فخر و سرکشی نہیں کرتا، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا اور نہ ان کو نفع و نقصان دینے والا سمجھتا ہے، تقدیر ہی کے عقیدہ سے نافع وضار صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سمجھتا ہے، سب حالات میں اسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے رجوع ہوتا ہے، مصیبت آئے تو مایوس نہیں ہوتا، خودداری کے اعلیٰ مقام سے نہیں گرتا، مخلوقات کے سامنے ذلت و ناداری اختیار نہیں کرتا، راحت و عیش میں غرور و تکبر اور بڑائی نہیں کرتا، جلن و حسد کو اپنے اندر پیدا ہونے نہیں دیتا، زمین پر سرکش اور متکبر بن کر خدائی نہیں چلاتا، گویا تقدیر پر ایمان کی وجہ سے انسان بہت بڑی کشمکش، گمراہی اور پریشانی سے بچ جاتا ہے۔

تقدیر کے حالات پر مؤمن اور منافق کی سوچ

جب تقدیر پر انسان کا ایمان کمزور ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے تو انسان مختلف حالات میں بدگمانی، شرکیہ عقائد اور اپنی تدبیر و منصوبوں کا شکار ہو جاتا ہے، اُسے اللہ کی بنائی ہوئی اچھی بُری تقدیر پر نظر رکھنے کے بجائے وہ اپنی نظر اپنے منصوبوں، اپنی صلاحیتوں اور اپنی طاقت یا دوسری مخلوقات کی مدد پر جمائے رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں پر مختلف حالات آتے رہتے تھے، منافقین ان تمام حالات کو تقدیر کا حصہ نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ کامیابیوں کو طاقت و ہتھیار اور قبیلوں کی مدد کی طرف منسوب کرتے اور جب مسلمانوں پر مشکل یا آزمائش پیش آجائے تو اُسے پیغمبر کی بے تدبیری اور غلطی سمجھتے تھے، اور یہ خیال کرتے کہ یہ مدبر رہنما نہیں ہیں، ان کے غلط

اندازے قائم کرنے کی وجہ سے ناکامی، مصیبت اور پریشانیاں آ رہی ہیں، چنانچہ اُحد کی شکست کی تمام ذمہ داری منافقین نے رسول اللہ ﷺ پر ڈالنے کی کوشش کی؛ کہ انہی کے غلط اندازے اور ہمارا مشورہ نہ سننے کی وجہ سے یہ شکست ہوئی، اور اکثر صحابہؓ کو یہ کہہ کر طعنہ مارتے تھے کہ ہماری رائے اور ہماری بات سنتے تو یہ مصیبت نہ آتی اور یہ نقصان نہ ہوتا، ہمارے ساتھ رہتے تو ان لوگوں کو موت نہیں آتی تھی، اُحد کی جنگ میں ان کا مشورہ نہ ماننے پر وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گئے اور سمجھے کہ ان کی طاقت کمزور ہو گئی، جنگ تبوک کے وقت کمزور و غریب صحابہؓ کا معمولی چیزیں اللہ کے راہ میں دینے پر مذاق اُڑاتے اور طعنہ مارتے ہوئے کہتے کہ ان کی امداد سے روم کے بادشاہ کو شکست ہو جائے گی۔

☆ اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ منافق لوگ نہ تو یہ مانتے تھے کہ کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت چلتی ہے اور نہ یہ ایمان رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر کام اللہ کے حکم کے تحت ہوتا ہے، وہ ظاہر میں تو رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر مانتے تھے، لیکن دلوں میں یہ خیال چھپا ہوا ہوتا کہ آپ سارے کام اپنی رائے اور تدبیر سے کر رہے ہیں، ان کی سوچ اور خیالات کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ کامیابی اور ناکامی، مرنا اور جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی میری طرف سے نہیں ہے، جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ خود بخود اپنی قتل گاہ کی طرف چلا آتا ہے۔ (ال عمران:۱۵)

سب کچھ اللہ کی مرضی اور منشاء سے ہوتا ہے، اس کی مشیت کے بغیر نہ کسی کو تکلیف ہو سکتی ہے اور نہ آرام مل سکتا ہے، صحابہؓ تقدیر پر مضبوط ایمان رکھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ موت سے پہلے موت نہیں آتی، ہر ایک کی موت کا وقت تقدیر میں لکھا ہے، وہ بے جگری سے اور نڈر بن کر دشمنوں میں گھس جاتے، تلواروں کے بیچ میں ہوتے، دشمنوں کی زیادہ تعداد اور ہتھیاروں سے نہیں گھبراتے، مشرکین خود صحابہ کے تعلق سے یہ کہتے کہ یہ لوگ موت سے نہیں ڈرتے، اکثر تو شہادت کی خواہش بھی رکھتے، حضرت خالد بن ولیدؓ کی

تقدیر میں شہادت لکھی ہوئی نہیں تھی، وہ بیمار ہو کر بستر پر انتقال کر گئے، شوہر اور اولاد کے شہید ہو جانے پر چیختے چلاتے نہیں تھے، مرتے مرتے بھی تقدیر کے لکھے پر اللہ سے راضی رہتے اور کہتے کہ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا، وہ خوشحالی اور پریشانی دونوں حالتوں میں تقدیر پر پختہ ایمان کی وجہ سے اللہ پر سے نظر نہیں ہٹاتے تھے، وہ ہر حالت میں دنیا کو امتحان کی جگہ سمجھتے تھے اور اللہ کو نافع اور ضار سمجھ کر صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔

تقدیر پر ایمان سے انسان شرک سے محفوظ رہتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شرک کالی چٹان پر اندھیری رات میں کالی چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی اور چھپا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان گاہ بنا کر اس میں کی چیزوں میں امتحان ہی کی خاطر نفع و نقصان رکھا ہے، چنانچہ انسان کو دنیا کی زندگی میں کبھی نفع بھی ہو سکتا ہے اور کبھی نقصان بھی، کبھی کامیابی اور کبھی ناکامی، مثلاً دواؤں سے فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور کبھی نقصان اور موت بھی ہو سکتی ہے، تجارت میں نفع ہو سکتا ہے یا نقصان، ظالم اور مشرک انسانوں سے تکلیف و پریشانیاں اور ناانصافی ہو سکتی ہے، زلزلے، طوفان، قحط، غرض اسباب کی اس دنیا میں بہت ساری چیزوں سے انسانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

ان تمام حالات میں انسان تقدیر پر پختہ ایمان رکھے تو شرک سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نفع ونقصان کو اللہ کی طرف منسوب کر کے نافع وضار صرف اللہ کو سمجھ سکتا ہے، اس کے برعکس اگر تقدیر پر پختہ اور صحیح ایمان نہ ہو تو نفع ونقصان، کامیابی وناکامی، خوشحالی وپریشانی، مصیبت اور تکالیف کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے مخلوق سے یا خود سے نسبت دے کر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مخلوق سے عاجزی، انکساری اور امید قائم کر لیتا ہے، مخلوق کو نفع ونقصان دینے والا، حفاظت اور بچانے والا، سمجھ کر ان سے ڈرتا اور ان سے امید قائم کر لیتا ہے اور ان کو بھی خدا کے ساتھ یا خدا جیسا سمجھتا ہے۔

اسلام انسان کی فکر وخیالات اور عقائد کو درست کرنے اور ہر حالت میں صحتمند عقیدہ رکھنے، ایمان کے اجزا میں تقدیر کا عقیدہ بھی لازمی اور ضروری رکھا، تقدیر پر پختہ عقیدہ ہی انسان کو ہر عمل میں اللہ تعالیٰ سے فائدہ اور نقصان کا احساس دلاتا ہے اور اللہ پر یقین مضبوط کرتا ہے، اس لئے کہ جب اللہ نے دنیا کو امتحان کی جگہ بنایا ہے تو فائدہ اور نقصان، کامیابی وناکامی، خوف وامن، بھوک وپیاس، پریشانی وخوشحالی، امتحان ہی کی خاطر اللہ ہی کی طرف سے ہوگی، امتحان گاہ میں اچھے بُرے جو بھی حالات آئیں گے وہ امتحان ہی کی خاطر اللہ کی طرف سے آئیں گے، جس طرح دنیا کے اسکولس میں امتحانات کے سوالات آسان ومشکل ممتحن (Examiner) کی طرف سے آتے ہیں، دنیا میں ہر امتحان لینے والا صحیح اور غلط سوالات سے بچوں کی جانچ کرتا ہے، اگر انسان کا عقیدہ اللہ کی تقدیر پر پختہ ہوجائے تو انسان مخلوق سے نہ ڈرتا اور نہ امید قائم کرتا ہے اور نہ بننے بگڑنے کا احساس رکھتا ہے، اچھے بُرے ہر حال میں صرف اور صرف اللہ ہی سے امید قائم کرتا ہے اور اللہ ہی سے بننے وبگڑنے اور نفع ونقصان کا احساس وعقیدہ رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کو نافع وضار جانتا ہے۔

ایمان سے محروم یا کمزور ایمان والے انسانوں پر منفی حالات آئیں یا مثبت حالات آئیں تو وہ ان کو مخلوقات یا خود کی طرف نسبت دیتے ہیں، اس سے مخلوقات کے ساتھ شکر اور خوف کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ مخلوقات ہی سے نفع ونقصان کا عقیدہ قائم کرلیتے ہیں، مگر مومن اپنے اوپر منفی اور مثبت حالات کو اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کا حصہ جان کر اللہ پر نظر رکھتا ہے، مخلوقات کو بے حقیقت سمجھتا ہے۔

اسلام نے ایمان والوں کو زندگی کے ہر قدم پر شرک سے بچا کر توحید پر مضبوطی سے قائم رہنے اور ہر حالت میں اللہ پر نظر رکھ کر زندگی گذارنے کے لئے تقدیر پر مضبوط ایمان رکھنے کی تعلیم دی، اور تقدیر انسان کو اللہ پر ایمان سے ہٹنے نہیں دیتی، اس لئے کہ اس امتحان گاہ میں ہر قسم کے حالات سے انسانوں کو گذرنا ہے مختلف حالات میں زندگی گذارنا ہے، مثلاً ایمان رکھنے پر ستائے جائیں گے، ایمان قبول کرنے پر ستائے جائیں گے، نوکری اور

تجارتوں سے محروم کردئے جائیں گے، ظالم لوگ مسلط ہو کر ظلم کریں گے اور اسلام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے، فساد کے ذریعہ دُکانوں، مکانوں اور دولت کو لُوٹا جائے گا، ناانصافی کے ذریعہ جیلوں میں بند کر کے سزائیں دی جائیں گی یا دولت پیروں کے نیچے سے نکلے گی، عیش ہی عیش ہوگا، دعوت الی اللہ میں تکالیف برداشت کرنا پڑے گا، شیطان کی گمراہی سے بچنا ہوگا، ان تمام حالات میں تقدیر پر پختہ ایمان رہے تو انسان شرک سے بچ کر خالص توحید پر زندگی گذار سکتا ہے اور انسان کا اللہ پر ایمان کمزور ہونے نہیں پاتا۔

اگر ایمانیات میں تقدیر کا عقیدہ نہ ہوتا تو انسان دنیا کے مختلف حالات میں اللہ پر سے نظریں ہٹالیتا اور حالات کو مخلوقات کی طرف سے سمجھتا تھا، چنانچہ تقدیر پر ایمان دراصل ایمان باللہ میں کمزوری آنے سے بچاتا ہے، مسلمان کا عقیدہ اگر تقدیر پر کمزور ہو تو وہ بھی زندگی کے تمام کاموں اور حالات میں مخلوق پر نظر رکھے گا یا اپنی ذاتی کوششوں پر نظر رکھے گا، انسان کا ہر عمل اس کے تقدیر پر ایمان کے مضبوط ہونے یا کمزور ہونے کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کا یقین اللہ پر ہے یا مخلوقات اور اسباب پر؟ تقدیر کے عقیدہ کے ذریعہ اسلام چاہتا ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں ہر حالات پر اللہ ہی سے بننے اور بگڑنے، اللہ ہی سے کامیابی و ناکامی کا احساس رہے، اللہ ہی کو نافع و ضار سمجھے اور غیر ایمان والے کی طرح برائے نام تقدیر کو نہ مانے، تقدیر پر ایمان کی وجہ سے دونوں کے اعمال اور فکر میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

☆ فرعون اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے مصر کی بادشاہت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھا اور بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کر کے اپنے آپ کو محفوظ سمجھا۔

☆ قارون نے تقدیر پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے دولت کو اپنی ذاتی محنت کی کمائی سمجھا۔

☆ عاد و ثمود نے اللہ کی دی ہوئی طاقت، صنعت و حرفت کو اپنا ذاتی کمال و فن سمجھا۔

☆ ابوجہل نے تقدیر کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے سرداری کو ذاتی قوت سمجھ کر غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر پیغمبر کی مخالفت کی۔

☆ ابولہب نے پیغمبری کو تقدیر کا لکھا نہ سمجھ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی کی اور ناکام زندگی گذار کر چلا گیا۔

☆ صحابہؓ تقدیر پر پختہ ایمان رکھنے کی وجہ سے موت سے نہیں گھبراتے تھے، بے جگر اور نڈر بن کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے، قیصر و کسریٰ کے دربار میں نڈر بن کر دعوتِ اسلام پیش کی۔

☆ حضرت خبابؓ قتل گاہ میں قتل ہوتے وقت بھی تقدیر کا لکھا مان کر رسول اللہ ﷺ کو کانٹا تک چبھنے کو بھی برداشت نہ کرنے کی بات کی اور قتل ہونا گوارا کیا۔

☆ حضرت خالدؓ بن ولید تقدیر پر یقین رکھ کر شہادت کی موت چاہتے تھے اور دشمنوں کے درمیان تلواروں کی چھاؤں میں گھمسان کی لڑائی لڑتے تھے، مگر اللہ نے ان کو تقدیر کے لکھے ہونے کی وجہ سے طبعی موت دی، شہادت نصیب نہیں ہوئی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ تقدیر ہی کے لکھے سے چلایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو تقدیر ہی کے لکھے سے بنی اسماعیل میں پیدا فرما کر بنی اسرائیل کو امتحان میں ڈالا، اس امتحان میں وہ ناکام ہوگئے، بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے تقدیر پر پختہ ایمان رکھا وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر کامیاب ہوگئے۔

☆ اللہ نے تقدیر ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں بے سہارا بنا کر فرعون کے گھر میں پالا اور حضرت موسیٰؑ اس کے لئے امتحان و آزمائش کا ذریعہ بنے، بی بی آسیہؓ جو فرعون کی بیوی تھیں اور ان کی نوکرانی اس امتحان میں کامیاب ہو کر ایمان لائیں، فرعون کو پتہ بھی نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ اس کی موت کا ذریعہ بنیں گے، اور وہ امتحان میں ناکام ہو کر تقدیر کے تحت پانی میں ڈوب کر مرے گا۔

مشرکینِ مکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنائے اور گھر کے اطراف گھیرا ڈالنے کے باوجود تقدیر ہی کہ وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے، ان کو کیا معلوم کہ اللہ نافع وضار

ہے، جس کی حفاظت کرنا چاہے تو پوری دنیا مل کر بھی نہیں مار سکتی، تقدیر کے لکھے میں جس کو زندہ رکھنا ہو تو اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔

مصیبت اور راحت کے حالات بہر حال اس امتحان گاہ میں امتحان کے لئے آئیں گے، انسان کا کام ہے کہ وہ ان حالات میں اللہ کی اطاعت و بندگی نہ چھوڑے، تقدیر کے لکھے کے تحت اللہ تعالیٰ کسی کو دولت دے کر آزماتا ہے، کسی سے دولت چھین کر آزماتا ہے اور کسی کو دولت نہ دے کر آزماتا ہے، کسی کو حکومت دے کر آزماتا ہے اور کسی سے چھین کر آزماتا ہے، کسی کو ایمان کے ماحول میں رکھ کر آزماتا ہے اور کسی کو غیر ایمانی ماحول میں رکھ کر آزماتا ہے۔

تقدیر پر ایمان میں مضبوطی سے توحید میں جان آتی ہے

دنیا میں ہر انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، غریب ہو یا امیر، عورت ہو یا مرد، جوان ہو یا بوڑھا، سب کچھ نہ کچھ تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا کی زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی، ہر ایک کی مصیبت اور پریشانی کی وجوہات الگ الگ ہوتی ہیں، ایمان والوں پر مصیبت غفلت سے جگانے اور بیدار کرنے یا پھر گناہوں کو معاف کرنے یا آزمائش سے درجات بلند کرنے آتی ہے۔

غیر مسلم کو ان کے ظلم، نافرمانی، شرک اور کفر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مصیبت آتی ہے اور ہلکا عذاب آتا ہے، غرض ہر ایک کی مصیبت و پریشانی کی وجوہات الگ الگ ہوتی ہیں، ایمان والوں پر مصیبت کا راز الگ ہے، غیر ایمان والوں پر مصیبت کا راز الگ ہے۔

سورۂ توبہ (۵۱) میں ارشاد باری ہے: ''<u>ان سے کہہ دیجئے کہ ہم پر اگر کوئی مصیبت آئے گی تو وہی آئے گی جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھا ہے، اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے، اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے</u>''۔

ایمان والوں کو ایمان بالقدر کے ذریعہ اللہ کے راز کو سمجھنے اور اعتدال میں رہنے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرنے کا موقع ملتا ہے۔

انسان کو تقدیر پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ تقدیر پر بھروسہ کر کے یہ سوچتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان ہے، اس کے مقدر میں یہ آنا تھا اس لئے یہ آیا، اس پر صبر کرنا چاہئے۔

دنیوی اعتبار سے کسی کو کوئی چیز نہیں ملتی تو اس پر اس کو افسوس نہیں ہوتا، مال، عزت، شہرت ملے تو اس پر وہ اِتراتا نہیں، فخر نہیں کرتا اس لئے کہ اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں، اللہ نے تقدیر میں پہلے ہی سے لکھ دیا تھا، اسی کی وجہ سے اُسے ملا ہے، اب وہ ان کے ذریعہ اللہ کا شکر گذار اور مطیع وفرمانبردار بنا رہتا ہے۔

☆ جب تقدیر پر عقیدہ مضبوط اور صحیح ہوتا ہے تو فکر، عقیدہ، خیالات سب کچھ خدا پرستی میں ڈھل جاتے ہیں اور بندۂ خدا کے خیالوں میں جیتا ہے۔

☆ بعض وقت انسان پر مصیبت، بیماری، تنگدستی، فاقہ کشی، ناکامی، پریشانی کے حالات آتے ہیں، اُسے دنیا میں اندھیرا اور ناکامی معلوم ہونے لگتی ہے، مگر تقدیر میں یہ مصیبت دراصل رحمت ہوتی ہے، گناہ معاف ہونے اور ترقی کا راز ہوتی ہیں، بعد میں اُسے احساس ہوتا ہے کہ جسے وہ مصیبت سمجھتا تھا وہ رحمت تھی، جیسے زیدؓ بن حارثہ کو بچپن میں لوگ ان کی ماں سے چُرا کر لے گئے، مگر وہ رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے بن گئے۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا مگر وہ مصر میں شاہی دربار میں پہنچ گئے، برائی کا الزام لگایا گیا اور جیل بھیج دئے گئے، مگر شاہی تخت پر بیٹھ گئے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے پڑھنے سے دور رکھ کر دنیا کا سب سے بھاری علم عطا کیا گیا، مخلوقات میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا، اور اس علم کو رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ بنا دیا۔

☆ حضرت عائشہؓ پر سخت تہمت لگائی گئی، مگر ان کی براءت میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور اس کے ذریعہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی تربیت کی گئی۔

☆ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنایا، گرنے والی دیوار کو درست کیا اور بچے کو مار ڈالا، اسی طرح بعض وقت ترقی ہوتی ہے مگر وہ حقیقتاً زوال رہتا ہے، فرعون بظاہر

سمندر میں راستہ دیکھ کر اس پر چل کر حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا تعاقب کیا مگر وہ اس کے لئے عذاب اور حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے لئے رحمت تھی۔

☆ ابو جہل نے اپنی طاقت، ہتھیار اور تعداد پر بھروسہ کر کے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا، مگر کفار کی فوج کی سرداری کرنے والے تمام لوگ موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

☆ جب انسان تقدیر پر کمزور ایمان رکھتا ہے تو اللہ کی طرف سے مصیبت اور راحت کو حکمت نہیں سمجھ سکتا، غرور و تکبر اور اکڑ، یا شکایت و ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ جب کسی انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی تقدیر میں عمر لکھی ہوئی مقرر ہے، نہ بڑھ سکتی ہے اور نہ گھٹ سکتی ہے، تو وہ موت سے نہیں گھبراتا، نڈر بن جاتا ہے، اس میں بے پناہ قوت، جوش اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے، صحابہؓ کا یہی حال تھا، وہ جانتے تھے کہ وقت سے پہلے کوئی نہیں مر سکتا۔

اسلامی عقیدہ ایمان کی اہمیت کا احساس، ادراک اور سمجھ اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اس کلمہ کے ماننے والے آزمائشوں سے گذرتے وقت ثابت قدم رہیں اور اللہ پر یقینِ کامل رکھیں۔

تقدیر پر ایمان کی وجہ سے عقل غفلت نہیں کھاتی اور گمراہ نہیں ہوتی

تقدیر پر ایمان کی وجہ سے جتنے مشکلات، رنج و غم ایمان والا اٹھاتا ہے یا قربانیاں دیتا ہے اس سے اتنا ہی ایمان مضبوط ہوتا ہے اور اللہ کا وہ محبوب بندہ بن جاتا ہے، اس کو دیکھ کر غیر مسلم بھی اسلام کی سچائی اور خود اعتمادی کو سیکھ سکتے ہیں، ان کو بھی احساس ہوتا ہے کہ مسلمان تقدیر پر طاقتور و مضبوط ایمان رکھ کر کڑی سے کڑی آزمائشوں اور مشکلات کو بھی اللہ کے بھروسہ پر آسانی سے جھیلتے اور ان پر صبر کرتے ہیں اور اس سے وہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں، ان کو بھی مسلمانوں کے ایمان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تقدیر پر ایمان کی وجہ سے مصیبت پر ایمان والے خالص اللہ کی طرف رجوع

ہوتے ہیں، اللہ سے پناہ مانگتے، اللہ ہی کو پکارتے، دل صرف اللہ کی طرف کر لیتے ہیں، مصیبتوں اور آزمائشوں کی وجہ سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے، تقدیر پر ایمان انسان کے اندر ایک طاقتور ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے، وہ بے شعوری والی زندگی سے دور رہتا ہے، جاہلانہ طریقہ اختیار نہیں کرتا، تقدیر کی وجہ سے اس میں اللہ پر توکل پیدا ہوتا ہے، توکل یہ ہے کہ دل میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اللہ کے سواء کوئی تم کو کچھ دے گا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور فرشتہ آ کر مدد کرنے کی پیشکش کی تو آپ نے اس سے مدد لینے سے انکار کیا، اللہ پر فیصلہ چھوڑ دیا، تقدیر کا عقیدہ مضبوط ہو جائے تو بڑی سے بڑی مصیبت کے بعد بھی انسان اپنے لئے راحت محسوس کرتا ہے، ذہنی قلبی سکون حاصل کر سکتا ہے، پریشانیوں میں رہ کر بھی ناامید نہیں ہوتا۔

☆ صحابہ کرامؓ سخت گرما میں کھجور پکنے کے موسم میں فصل تیار ہونے کے باوجود غزوہ تبوک میں سلطنتِ روم سے ٹکرانے چلے گئے۔

ایمان والوں نے منافقین کو یہ جواب دیا کہ اللہ ہی ہمارا ولی ہے، وہ جو کرے ہمیں قبول ہے، سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

☆ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنے سے انسان کوئی شکوہ وشکایت نہیں کرتا، نہ اللہ سے اور نہ کسی اور سے، اسی کیفیت کا نام نفس مطمئنہ ہے، جس طرح تیز آندھی مضبوط چٹان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اسی طرح وہ شخص جس کا اللہ کی تقدیر پر ایمان ہو وہ بھی مصائب میں نہیں ڈگمگائے گا۔

☆ اسی تقدیر کے عقیدہ کی وجہ سے مسلم قوموں میں خودکشی کے واقعات بہت کم اور نہیں کے برابر ہیں، اس کے برعکس دوسری قوموں میں تقدیر کو برائے نام ماننے سے خودکشی کے واقعات بہت زیادہ ہیں، کمزور ایمان والے تقدیر کو نہ سمجھنے سے خودکشی کرتے ہیں۔

☆ پختہ ایمان والا انتہاء سے زیادہ نقصان اٹھانے کے باوجود دوبارہ اللہ سے امید رکھتا اور اپنی ہر طرح سے کوشش جاری رکھتا ہے وہ ناامید نہیں ہوتا۔

☆ مسلمانوں میں بے روزگاری، غریبی اور تباہی و بربادی، لُٹنے پٹنے کے باوجود اور

ہزار ہا دُکھ اٹھانے کے باوجود وہ زندگی سے گھبراتے نہیں، اللہ پر بھروسہ کر کے مطمئن زندگی گذارتے ہیں۔

☆ ایمان بالقدر اگر صحیح اور مضبوط ہو تو آدمی ہر حالت میں مرچی چٹنی کھا کر سڑک پر سو کر بھی خدا کی محبت اور بھروسہ کی وجہ سے وہ دنیا کو امتحان کی جگہ سمجھ کر آخرت میں کامیابی کی امید لے کر زندہ رہتا ہے، صبر و شکر کی تربیت پاتا رہتا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان انسان کو اللہ سے ناامید اور مایوس نہیں ہونے دیتا اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ نئے طریقے سے جینے کا طریقہ سکھاتا ہے۔

☆ تقدیر کا عقیدہ جب کسی کے دل میں جڑ پکڑتا ہے تو وہ کسی سے کوئی توقع نہیں لگاتا اور نہ کسی سے امید لگاتا ہے، مخلوق سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو خالق کا محتاج سمجھے گا، تقدیر کے عقیدہ سے سارے دماغی امراض تفکرات، بے چینی، بے اطمینانی، گھبراہٹ سب کچھ دور ہو جاتے ہیں، کمزور یقین سے دماغی امراض یہیں سے شروع ہوتے ہیں کہ فلاں نے یہ بگاڑا، فلاں نے یہ خبر پھیلائی ہے، فلاں نے یہ تکلیف دی۔

☆ محمد علی جوہر کی دو بیٹیاں ایک ہی مرض کی وجہ سے فوت ہو گئیں، ایک کے بعد ایک، وہ لکھتے ہیں کہ تیری صحت ہمیں منظور ہے، لیکن اس کو منظور نہیں تو ہمیں منظور نہیں، رنج وغم، غصہ، چیخ و پکار ختم ہو جاتا ہے، کاش یوں ہوتا، کاش یوں کرتا، یہ کلمہ سے شیطان کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔

☆ دُکان جل جائے، کاروبار ٹھپ ہو جائیں، گھر اُجڑ جائے، اگر تقدیر پر ایمان و یقین ہو تو ساری چیزوں کی تباہی کے بعد بھی اطمینان کی کیفیت باقی رہ سکتی ہے، دولت، عزت کے ختم ہونے یا تجارت کے نقصان سے وہ بے چینی پیدا نہیں ہوگی جس سے انسان کبھی کبھی جنون کی حدوں کو پار کر جاتا یا ہارٹ اٹیک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ جب انسان کو تقدیر پر ایمان مضبوط ہوتا ہے تو ان حالات کا مقابلہ بہادری، قوتِ برداشت وصبر سے کرتا ہے، جان و مال کے نقصان کو مسکراتے ہوئے برداشت کرتا ہے۔

تقدیر پر پختہ ایمان والے خوشی وغم، کامیابی و ناکامی، بیماری وتندرستی میں راہِ اعتدال سے کام لیتے ہیں، پریشانیوں میں نرمی اوراعتدال سے کام لیکراللہ کاادب واحترام پیدا کیا جاسکتا ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: جب میں اپنے بندہ سے اس کی چہیتی نگاہیں چھین لیتا ہوں تو میں جنت کے علاوہ اس کے لئے کوئی اور جزا گوارانہیں کرتا، کیونکہ وہ نگاہوں سے محرومی کے باجود بھی میرا شکر گذار بندہ بنا رہااور صبر کیا۔

تقدیر پرایمان کے ذریعہ کن کن چیزوں کی تربیت کی جارہی ہے؟

☆ تقدیر کے ذریعہ انسان کی توحید میں کمزوری اور بگاڑ آنے سے بچایا جارہا ہے۔

☆ تقدیر کے ذریعہ انسان میں صبر پیدا کرنے کی مشق ہے، انسان اگر تقدیر پر پختہ ایمان رکھے تو اس میں بہت جلد صبر پیدا ہوجاتا ہے، اگر کمزور ایمان رہے تو حالات سے پریشان رہتا ہے، دماغ میں چھڑ چھڑاپن، دل بے چین اور تفکرات میں رہتا ہے۔

☆ تقدیر پرایمان کے ذریعہ انسانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں کامیابی اورناکامی اس کی کوششوں، قوت ودولت اور اسباب سے نہیں ملتی، بلکہ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر سے ملتی ہے، تاکہ اس کے صبر کا اور عبدیت وبندگی کا امتحان لیا جائے کہ وہ ہرحال میں کتنا صابر اور شاکر رہتا ہے۔

☆ تقدیر کے ذریعہ انسان کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ نقصان، پریشانی، تباہی وبربادی آتی ہے تو اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، ہرقسم کی احتیاط اور بچاؤ کے باوجود اس کا آنا یقینی ہے۔

☆ دنیا امتحان کی جگہ بنائی گئی ہے، انسان اپنی مرضی، محنت، ذاتی صلاحیتوں، ہنر اور ڈگری سے دولت، عزت، صحت اوراعلی مقام حاصل نہیں کرسکتا، اور نہ غربت وافلاس اور پریشانی ومصیبت سے بچ سکتا ہے۔

☆ تقدیر پرایمان کے ذریعہ ایمان والوں میں سے مخلوقات کا خوف ختم کرکے ان میں

بے خوفی، بہادری کا حوصلہ پیدا کیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے انسان کسی سے کچھ بگڑنے کا احساس نہیں رکھتا۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ توکل پیدا کیا جاتا ہے کہ جب تک اللہ کا منشا اور مصلحت نہ ہو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

سورۂ ہود (۱۲۳) میں ہے: ''جو کچھ تم کر رہے ہو میرے رب کا علم اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے''۔

سورۂ تکویر (۲۹) میں ہے: ''اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ رب العالمین نہ چاہے''۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ موت، نقصان، بیماری پر صدمہ، مایوسی و ناامیدی، لوگوں سے شکایت سے بچایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کی وجہ سے مخلوقات سے نفع و نقصان کے عقیدہ کو توڑا جا رہا ہے، اللہ کے سوا کسی سے نفع و نقصان کی امید نہ رکھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کی وجہ سے غیر ایمان والوں کی طرح ناامیدی، مایوسی اور آپے سے باہر ہو کر کپڑے پھاڑ لینے یا بیان کر کر کے رونے یا چیخنے چلانے سے بچایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کی وجہ سے مختلف منفی حالات میں جذبات کا شکار، غصہ، انتقام، ہارٹ اٹیک، بے ہوشی، خودکشی سے بچا کر اطمینان اور سکون پیدا کرنے اور اپنے آپ کو اعتدال و قابو میں رکھنے، جذبات سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی جا رہی ہے؛ تاکہ انسان کسی بھی ناگہانی حالات میں جہالت والے اعمال کا شکار ہونے نہ پائے۔

☆ تقدیر پر ایمان تکبر، غرور اور اکڑ کو توڑ کر تمام نعمتوں کو اللہ کی عطا و دین تصور کرنے کا احساس پیدا کرایا جاتا ہے اور شکر کے جذبات پیدا کرائے جا رہے ہیں۔

☆ تقدیر پر ایمان کی وجہ سے انسان اپنے بھائیوں سے جلن، حسد، بغض و عداوت سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کی خوشحالی، دولت، ترقی، تعلیمی قابلیت کو اللہ کی عطا تصور کرتا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ انسانوں کو صابر اور شاکر بنایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ یہ احساس پیدا کرایا جا رہا ہے کہ جو چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے، اس میں تغیر، تبدیلی، جلدی یا دیر نہیں ہوسکتی، انسان اپنی مادّی قوت، جسمانی قوت، دماغی تدابیر کر کے مصیبت کو دور نہیں کر سکتا، یا تدبیر اور کوشش تقدیر کو مٹا نہیں سکتی اور نہ بدل سکتی ہے۔

☆ تقدیر پر عقیدہ سے ایمان والوں اور غیر ایمان والوں کے اخلاق و اعمال میں بہت بڑا فرق پیدا کیا جا رہا ہے، یہ عقیدہ مومن میں پختہ ہو جائے تو بڑے بڑے تہذیبی و تمدنی، سیاسی اور خاندانی مسائل اپنے آپ حل ہو جاتے ہیں۔

☆ تقدیر پر ایمان کی وجہ سے مؤمن مصیبت اور تکالیف میں مشکلات سے گذرتا ہے، مگر اللہ پر ایمان سے نہیں ہٹتا، زمین پر سو کر، بھوکا رہ کر، مرچی چٹنی کھا کر اللہ کی اطاعت سے منہ نہیں موڑتا، غریبی و مفلسی، بے سروسامانی اور ناکامی میں ہمت نہ ہارنے کی تعلیم دی جا رہی ہے، جس طرح درخت اور پودے آندھی اور طوفان میں ادھر ادھر جھونکے کھاتے اور جھک جاتے ہیں، کچھ ڈالیاں، پتے اور پھل پھول جھڑ جاتے ہیں، مگر زمین سے اُکھڑتے نہیں، پھر تر و تازہ ہو کر سیدھے ہو جاتے ہیں، غیر مؤمن تکالیف و پریشانیوں میں جھک کر برداشت کرنے کے بجائے یکدم ٹوٹ کر اکڑے ہوئے درخت کی طرح جڑوں سے اُکھڑ جاتا ہے اور گر جاتا ہے، ناامید ہو جاتا ہے یا خودکشی سے موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

☆ تقدیر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان والا یہ تصور رکھتا ہے کہ جو ہوا اور جو ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم تھا اور معلوم ہے، بندہ کا کوئی بھی عمل، کوئی بھی کام، خیالات، تدابیر اور منصوبے کچھ بھی اللہ سے چھپے ہوئے اور اوجھل نہیں ہیں۔

☆ تقدیر پر مضبوط ایمان کے ذریعہ انسان کو حق کا ساتھ دینے اور نیکی و تقویٰ پر جمائے رکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

☆ تقدیر کے ذریعہ دنیا کے اس امتحان میں سخت سے سخت مشکلات اور مجاہدے کرنے

کے قابل بنایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ زندگی کے اس امتحان میں جتنی بھی آزمائشیں پیش آئیں تو ان میں ثابت قدم رہنے کا عادی بنایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ انسان کو ناکامیوں میں ناامیدی سے بچایا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ دنیا کی کسی طاقت کو نفع ونقصان کا مالک نہ سمجھنے اور اللہ کے فاعل حقیقی اور نافع وضار ہونے کا تصور دیا جا رہا ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ سب کاموں میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔

☆ تقدیر پر ایمان کے ذریعہ مخلوقات کے سامنے بھیک مانگنے، مخلوقات سے رجوع ہونے سے بچایا جا رہا ہے؛ تاکہ انسان کو احساس رہے کہ وہ اللہ کا محتاج ہے، کسی مخلوق کا محتاج نہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ میں زندگی کے تمام معاملات میں یہی روح پھونکی، اسی سے اسلامی اخلاق اور اللہ کی عبدیت وبندگی صحیح انداز میں پیدا ہوتی ہے۔

تقدیر کا صحیح تصور اور گمراہ کن تصور

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان دنیا کے کام دھندے چھوڑ کر تقدیر کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے، محنت، مزدوری اور جدوجہد نہ کرے اور اسباب اختیار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر توکل، بھروسہ اور اعتماد یہ ہے کہ ہر کام، ہر عمل میں محنت، مزدوری، جدوجہد، حفاظت واحتیاط، علاج اور جستجو اختیار کر کے تقدیر کے نتیجہ پر بھروسہ کرے، مثلاً:

☆ تجارت اور نوکری اختیار کر کے نفع ونقصان کو تقدیر خیال کرنا، محنت، کوشش اور جدوجہد کے بعد ہی تقدیر کا لکھا حصہ ملے گا، بغیر محنت وکوشش کے تقدیر کا حصہ خود بخود نہیں ملتا۔

☆ اللہ نے دنیا کو دار الاسباب بنایا، تقریباً دنیا کی ہر چیز اسباب ہی کے ذریعہ ملتی ہے، پکی پکائی غذا آسمان سے نہیں ٹپکتی، جو غذا پیٹ میں جانا ہے وہ تقدیر کے لحاظ سے منہ میں

نوالہ بن کر نہیں ملتی، انسان کو غلہ، ترکاریاں زراعت کر کے اُگانا، خرید کر لانا، پھر آگ پر پکانا اور کھانا و سالن تیار کر کے کھانا پڑتا ہے، پلیٹ میں کھانا سالن ڈال کر بیٹھے رہنے سے بھی غذا منہ میں خود بخود نہیں چلی جاتی، باقاعدہ ہاتھ سے منہ میں نوالہ بنا کر ڈالنا اور چبانا پڑتا ہے، اتنے اسباب اختیار کرنے اور محنت کرنے پر ہی بھوک مٹتی ہے۔

☆ جو دولت تجارت سے ملتی ہے وہ تقدیر کے لحاظ سے خود بخود بغیر تجارت کئے حاصل نہیں ہوتی، باقاعدہ محنت کرنا اور نفع ونقصان اٹھانے کے بعد ملتی ہے، ایک شخص رزق کے لئے ہر روز خوب دعا کرتا تھا لیکن محنت نہیں کرتا تھا، ایک دن فرشتہ کی آواز آئی: اے انسان! دعا تو قبول ہوگئی تو محنت کر کے وہ رزق حاصل کیوں نہیں کرتا؟

☆ البتہ جو دولت اور کمائی تقدیر سے ملتی ہے اس کو ان راستوں اور ذریعوں کی ہدایت بہ آسانی ملنی شروع ہو جاتی ہے، مثلاً کسی کو دولت نوکری سے نہیں، تجارت سے ملنی ہے تو وہ نوکری میں کامیاب نہیں ہوتا، یا اُسے نوکری نہیں ملتی، اس کو تجارت سے ہی رزق ملے گا۔

☆ اور جس کو تجارت سے نہیں نوکری سے دولت ملنی ہے تو وہ تجارت میں کامیاب نہیں ہوسکتا، اُسے نوکری کرنا پڑے گا، اس کو نوکری کی ہدیت وتوفیق ملتی ہے، دنیا چونکہ امتحان کی جگہ بنائی گئی؛ اس لئے اللہ نے کسی کا رزق نوکری سے، کسی کا تجارت سے، کسی کا ہنر سے تقدیر میں رکھا ہے، اس کو اپنی تقدیر کا حصہ حاصل کرنے جد وجہد کرنی ہوگی، اللہ کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ وہ کس راستہ سے رزق حاصل کرے گا، حرام طریقہ سے کرے گا یا حلال طریقہ سے۔

☆ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقدیر کے بھروسہ پر بیماری کا علاج ہی نہ کروائیں اور گھر میں بیمار پڑے رہنا یہ توکل نہیں، صحت اللہ کی نعمت ہے، اس نعمت کی حفاظت کرنا ضروری ولازمی ہے، رسول اللہ ﷺ نے سنت یہ بتلائی کہ بیماری کو دور کرنے اپنی کوشش اور جدوجہد سے ڈاکٹر اور طبیب کو تلاش کریں اور دوا کھائیں، باقاعدہ بیماری کا علاج کروا کر اللہ پر توکل کریں، شفاء کی امید تقدیر پر چھوڑ دینا توکل ہے، تقدیر میں جب

شفا کا وقت ہوگا تو شفا ہوگی، یا موت لکھی ہے تو موت آئے گی، بیماری امتحان کے لئے دی جاتی ہے، اس حالت میں اللہ سے کوئی شکوہ شکایت اور اظہارِ ناراضگی کے بغیر صبر اختیار کریں اور اللہ کے اس فیصلہ پر راضی رہیں۔

☆ سواری کو غلط جگہ پر رکھ کر بغیر قفل ڈالے تقدیر پر بھروسہ کر کے کھلا چھوڑنا توکل علی اللہ نہیں، ایک صحابیؓ اونٹ کھلا چھوڑ کر تشریف لائے اور کہا کہ اللہ پر توکل کر کے آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس کیا اور کہا کہ اونٹ باندھ کر آؤ اور پھر اللہ پر توکل کرو، اس لئے کہ توکل یہ ہے سواری کو محفوظ جگہ پر حفاظت سے رکھ کر تقدیر کے بھروسے اللہ پر توکل کرنا صحیح توکل ہے، اگر محفوظ کردینے، قفل ڈالنے کے باوجود تقدیر میں چوری ہونا لکھا ہو تو وہ آزمائش و امتحان کے لئے ہو کر رہے گی، مگر احتیاط کا اختیار رکھ کر احتیاط نہ کرنا بیوقوفی اور جہالت ہے۔

☆ معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے باوجود اللہ کی طرف سے بھیجی گئی سواری براق کو بیت المقدس میں داخلہ سے پہلے باندھا۔

☆ جنگ حُنین میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، اسباب و وسائل بھی بہت تھے، باوجود لوگوں کی تعداد اور ہتھیار زیادہ ہونے کے اللہ پر توکل کرنے کے بجائے اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ کیا گیا، تو توکل کا غلط تصور کو توڑنے کے لئے شروع میں من جانب اللہ مسلمانوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔

☆ اسی طرح تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی کر رہا ہو، کوئی چوری کر رہا ہو، کوئی زنا کر رہا ہو، کوئی قتل کر رہا ہو تو اس کو تقدیر کا بہانہ بنا کر سزا نہ دینا اور تقدیر کا سہارا لے کر کھلی چھوٹ دینا، یہ گمراہی اور جہالت و نادانی ہے؛ بلکہ تقدیر پر ایمان رکھ کر فساد اور برائی کو دور کرنے کے حالات پیدا کرنا ضروری ہے، چور کا ہاتھ کاٹنا چوری سے روکنے کے لئے، قاتل کو سزاءً قتل کرنا یا فدیہ وصول کرنا اور زانی کو سنگسار یا کوڑے مارنا یہ عین عدل ہے، ظلم اور گناہ کو مٹانے کے لئے بدلہ لینا اور سزا دینا عین انصاف ہے، اس سے معاشرہ میں توازن اور اعتدال قائم رہتا ہے، ورنہ ہر کوئی برائی اور

گناہ پر جسارت اور جرأت کرنا شروع کر دے گا، اس سے لوگوں میں فساد پیدا ہوگا۔

دنیا امتحان گاہ ہونے کی وجہ سے قاتل کو قتل کا، چور کو چوری کا، زانی کو زنا کا اور گناہ گار کو گناہ کا موقع دیا جاتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو اچھے بُرے اعمال کا امتحان نہیں ہوسکتا اور ان کے ذریعہ انسان کی آزمائش بھی نہیں ہوسکتی۔

☆ تقدیر کے سہارے پر آگ میں کود جانا، پانی میں کود جانا، بلڈنگ پر سے چھلانگ لگا دینا یہ بیوقوفی، جہالت اور نادانی ہے، عقل وشعور رکھ کر ایسا کرنا جہالت ہے، اللہ نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے، اگر تقدیر میں موت ہو تو مرجاتے ہیں؛ ورنہ خودکشی کے باوجود موت نہیں آتی، تقدیر کے لکھے سے پہلے کوئی نہیں مرتا، اللہ کو پہلے سے یہ بھی علم ہے کہ کون طبعی موت مرے گا اور کون خودکشی کر کے مرے گا۔

☆ کوئی یہ کہے کہ تقدیر میں ہے کہ ہم پر ظلم ہو اس لئے ظلم ہو رہا ہے اور خاموشی سے ظلم کو سہتا رہے، یہ عمل صحیح نہیں! گھر میں سانپ نکلے تو کوئی یہ نہیں کہتا کہ تقدیر میں ہو تو کاٹے گا ورنہ نہیں! ہر کوئی سب سے پہلے اس سے بچے گا اور پھر مارنے کی کوشش کرے گا، اُسے بھگانے کی فکر کرے گا، اسی طرح ظلم کا مقابلہ کیا جائے اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔

☆ چور کو چوری کرنے پر تقدیر کا سہارا لے کر چھوٹ دینا؛ اس کی عادت خراب کرنا اور اس میں جسارت پیدا کرنا ہے، اس کو برائی سے روکنے اور بچانے کی کوشش میں سزا دینا ضروری ہے، اگر اس کی تقدیر میں اس گناہ سے بچنا ہے تو بچے گا؛ ورنہ سزا کے باوجود اسی گناہ میں مبتلا رہے گا۔

☆ اسی طرح قاتل کو قتل پر تقدیر کے سہارے سے سزا نہ دے کر چھوٹ دینا؛ اس کی ہمت افزائی کرنا ہے، اس سے اس میں قتل کی عادت اور جسارت پیدا ہوجائے گی، اس کو اس برائی سے بچانے کے لئے سزا دینا لازمی اور ضروری ہے، اگر مقدر میں درست ہونا ہو تو وہ سدھر جائے گا؛ ورنہ قتل ہی کا شوق اور گناہ میں پڑا رہے گا۔

☆ مرد اور عورت مل کر خوشی خوشی مرضی اور چاہت سے زنا کریں اور کہیں کہ تقدیر میں

زنا کرنا لکھا تھا اس لئے زنا کر رہے ہیں، ان کا یہ عذر نادانی، بیوقوفی اور جہالت ہے، اس پر گرفت کر کے انہیں سزا دی جائے، ورنہ وہ زنا ہی کے عادی بنتے چلے جائیں گے۔

☆ کوئی شرک کر کے یہ کہے کہ میری تقدیر میں شرک کرنا لکھا تھا اس لئے شرک کر رہا ہوں، یہ عذر بھی بیوقوفی و جہالت ہے، جب اس کے پاس عقل وشعور ہے، ضمیر ہے، علمِ دین سمجھانے والے صحیح و غلط راستے کو سمجھائیں پھر بھی یہ شرک کرے تو یہ عذر ایک جھوٹا بہانہ اور گمراہی ہے، اندھی تقلید کر کے تقدیر کا بہانہ نہ بنائے۔

اسلامی تعلیمات میں توکل کی حقیقت کو ذہن میں رکھیں!

توکل یہ نہیں کہ بغیر کوشش ومحنت، احتیاط وحفاظت اور اسباب کے اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤ! بلکہ پوری کوشش ومحنت اور درست اسباب اختیار کر کے یہ احساس اور عقیدہ رکھو کہ تمہارے کرنے سے کچھ نہیں ہوگا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا وہ ہوگا، اسباب اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ رکھنا صحیح توکل ہے، اسباب اختیار کر کے نتیجہ کو تقدیر پر چھوڑنا توکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، رسول اللہ ﷺ کے اونٹ پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے چند باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، ایک حقیقت کو اچھی طرح جان لو کہ پوری دنیا اور دنیا کے تمام لوگ مل کر تم کو نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے لکھ دیا، اور اگر پوری دنیا تمہیں نقصان پہنچانے پر جمع ہوجائے تو اتنا ہی تمہارا بگاڑ سکتی ہے جتنا اللہ نے تقدیر میں لکھا ہے۔ (ترمذی)

مومن علم، عمل، دوست واحباب، مال ودولت، ہتھیار، طاقت سب کچھ اسباب رکھ کر توکل اللہ پر کرتا ہے، غیر مسلم اسباب ملتے ہی پورا بھروسہ اور توکل اسباب پر کرتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر اسباب پر نظر رکھنا اور اسباب پر بھروسہ کرنا شرک ہے، مشرک اسباب، طاقت، ہتھیار اور مال ودولت پر توکل کرتے ہیں، قلبی سکون کا تعلق مال کی کثرت اور اسباب کی فراوانی سے نہیں بلکہ شکر، قناعت، تقدیر اور اللہ پر توکل سے ہے، قناعت اور توکل کی دولت

اگر مل جائے تو فقیر بن کر بھی اطمینان وسکون کے ساتھ زندگی گذر سکتی ہے۔

<u>ایمان والے بھی غیر ایمان والوں کی طرح اللہ پر توکل کو چھوڑ کر اسباب پر اعتماد کریں تو پھر ان میں اور غیر میں کیا فرق باقی رہا۔</u>

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر راضی ہو جاؤ، تم لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

جب انسان کا ایمان تقدیر پر مضبوط اور پختہ ہو جاتا ہے تو اس کو وہ لطف حاصل ہوگا جو بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیب نہیں ہوتا۔

تقدیر پر ایمان کے ذریعہ انسان کو اس پر جو بھی حالات آئیں اس میں بہہ جانے سے بچایا گیا اور ذہن کو اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین اور توکل پیدا کیا جا رہا ہے۔

انسان کم پر راضی ہو جائے تو شکر وقناعت پیدا ہوتی ہے، اگر حرص کرے گا تو ناشکری پیدا ہوتی اور قناعت کی نعمت سے محروم رہتا ہے، دوسروں کے مال، ترقی اور خوشحالی پر حسد و جلن میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور مال کی لالچ میں لگا رہتا ہے، تقدیر پر مضبوط ایمان ہی سے قناعت پیدا ہوتی ہے کہ جتنا مقدر میں ہے وہ مل گیا، دوسروں کی ترقی اور مال پر رال نہیں ٹپکائے گا، حرص سے محفوظ رہے گا، شیطان توکل سے ہٹا کر گمراہی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی معروف کتاب ''کتاب الاذکیاء'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابلیس سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا تمہارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ تمہیں وہی کچھ لاحق ہوتا ہے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: بے شک وہی ہوتا ہے جو اللہ نے مقدر میں لکھا ہے، اس پر ابلیس نے کہا: اچھا تو پھر اپنے آپ کو اس پہاڑ سے نیچے گرا دو، یعنی کود جاؤ، اگر اللہ نے تمہارے مقدر میں سلامتی لکھی ہوگی تو تم صحیح وسالم بچ جاؤ گے اور تمہیں کچھ نہیں ہوگا، حضرت عیسیٰؑ نے ابلیس کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے ملعون! اللہ عز وجل کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے، مگر بندہ کو ہرگز اس جسارت کا حق نہیں کہ وہ اللہ عز وجل کا

امتحان لے، چنانچہ ابلیس اپنا منہ لے کر رہ گیا۔

دنیا میں سے بہت سے حالات ایسے نظر آتے ہیں جہاں انسان خودکشی کرنے کے لئے آگ، پانی یا زہر وغیرہ کے ذریعہ مرنا چاہتا ہے، مگر اللہ کی مرضی و تقدیر کے مطابق موت نہیں آتی اور وہ نہیں مرتے۔

سورۃ التوبہ (۵۱) میں ہے: ان سے کہئے کہ ہمیں اگر کوئی مصیبت آئے گی تو وہی آئے گی جو اللہ نے ہمارے مقدر کر رکھی ہے، وہی ہمارا سرپرست ہے، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

بعض لوگ تقدیر کے خلاف انسان کو عمل میں آزاد و مختار سمجھتے ہیں

دنیا میں منفی حالات پر نظر رکھ کر انسانوں کا کچھ طبقہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ (ازل) سے علم ہونے کا انکار کر کے تقدیر کا انکار کرتا ہے اور انسان کو عمل میں آزاد و مختار سمجھتا ہے، مثلاً:

☆ کعبۃ اللہ کو نقصان پہنچایا گیا، غلافِ کعبہ کو آگ لگا دی گئی، حجرِ اسود کو چرالیا گیا، اس کے ٹکڑے ہو گئے، ان حالات پر نظر رکھتے ہوئے تقدیر پر صحیح ایمان نہ رکھنے والوں نے کہا: کیا اللہ خود اپنے گھر کے پردہ کو جلانے کی بات لکھے گا؟ لہٰذا تقدیر کا علم قدیم نہیں۔

☆ پیغمبروں کو قتل کیا گیا، ستایا گیا، کیا اللہ خود اپنے پیغمبروں کو قتل کرنے کی بات لکھے گا؟ لہٰذا تقدیر کا علم قدیم نہیں۔

☆ آسمانی کتابوں کی بے حرمتی کی گئی، ان میں تحریف کی گئی، قرآن مجید کی بے حرمتی کی گئی، بعض وقت جلایا بھی گیا، کیا اللہ خود ہی اپنی کتاب کی بے حرمتی بھی لکھے گا؟ لہٰذا تقدیر کا علم قدیم نہیں ہے۔

☆ اسی طرح ایمان قبول کرنے والوں کو ہر زمانہ میں لوٹا گیا، آگ میں جلا دیا گیا، قتل کیا گیا، گھروں سے بے گھر کیا گیا، کیا اللہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ ایسا ہونا لکھے گا؟

ان لوگوں کا تصور ہے کہ اللہ نے انسانوں کو مکمل آزادی دے رکھی ہے، اس لئے

وہ جو کچھ منفی حالات میں شر اور گناہ کرتے ہیں ان کو اللہ کی مشیت اور مرضی کی نسبت دینا یہ اللہ پر الزام ہے، بے ادبی ہے، اللہ انسان کے عمل کرنے کے بعد جانتا ہے کہ انسان یہ یہ کام کیئے، اس نے انسان کو اچھے بُرے اعمال کرنے کی جانچ کے لئے پیدا کیا، اس لئے اس کو پہلے سے علم نہیں ہوتا، اس نے انسان کو کھلی آزادی دے رکھی ہے۔

اگر انسان اس طرح تصور کرے تو پھر انسان میں اور اللہ میں فرق باقی نہیں رہے گا ،انسان کا علم اور اللہ کا علم برابر ہو جائے گا کہ جس طرح انسان کو یہ بات معلوم نہیں رہتی کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ کون کیا کرنے والا ہے؟ خالق کا کمال تو یہ ہے کہ مخلوق کے عمل سے پہلے خالق اس کے عمل سے واقف رہے۔

اگر اللہ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا اور انسان کو مکمل مختارِ کُل بنا دیا اور اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رکھا اور نہ اس کے پاس یہ قدرت رہے کہ انسان کے اچھے بُرے اعمال کو بعض حالات میں روک سکے یا مالک کی اجازت اور مرضی کے بغیر وہ سب کچھ کرتا رہے تو پھر انسان خود ہی اپنے اعمال کے خالق ہو جائیں گے، اس طرح وہ جتنے بھی اعمال کریں گے تو وہ ان اعمال کے خالق اور اختیار و آزادی کے خالق بن جائیں گے، اگر کوئی ایسا سمجھے تو حق تعالیٰ کی ذات میں ایسا نقص مانا کہ جس سے توحید باقی نہیں رہے گی۔

انسان جو کچھ اعمال کرتا ہے ان اعمال کا بندہ خود خالق نہیں بلکہ ان کا خالق بھی اللہ ہی ہے، جس طرح انسان کی آزادی و اختیار بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح اگر بندہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی عمل کرے تو انسان اعمال کا خالق ہو جائے گا؛ جبکہ اللہ کے سوا کوئی کسی ذرّہ کا بھی خالق نہیں۔

اس لئے فرمایا گیا کہ شر اور خیر کا خالق اللہ ہی ہے، جس طرح فرمانبردار اور نافرمان دونوں بندوں کا خالق اللہ ہے، اسی طرح ان کے اچھے بُرے اعمال کا خالق بھی اللہ ہی ہے، جو اللہ ہی کی اجازت سے ظہور میں آتے ہیں، اس لئے بندوں کے اعمال بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔

مگر بندوں کے بعض اعمال اختیاری ہیں اور بعض غیر اختیاری، ہر قسم کے گناہ

دراصل انسان کو جو آزادی دی گئی ہے انسان اس کا استعمال اپنی چاہت اور پسند سے شیطان کی مدد سے کرتا ہے، مگر اللہ کو ان تمام چیزوں کا علم پہلے سے ہی رہتا ہے کہ فلاں قوم فلاں لوگ کعبۃ اللہ کی، قرآن کی، پیغمبروں کی، مسلمانوں کی بے حرمتی کرنے کے مرتکب ہوں گے، فلاں دن فلاں وقت بُرا کام کریں گے، دنیا امتحان گاہ ہونے کی وجہ سے ان کو وہ اعمال کرنے کی اجازت دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب یہ بتایا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں تقدیر الٰہی کچھ نہیں، ہر بات بغیر تقدیر کے ہوتی ہے، اس سے پہلے علم الٰہی نہیں ہوتا، آپؓ نے فرمایا: اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو جائے تو تم کہہ دینا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں اور نہ تمہارا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔ (مسلم)

زندگی میں انسان چاہے نیکی کرے یا گناہ، سارے اعمال اللہ کی اجازت ومشیت سے عمل میں آتے ہیں، ان اعمال میں انسان کی مرضی و پسند اور اختیار کا دخل ہے۔

دنیا میں جتنے نامناسب اور منفی حالات پائے جاتے ہیں وہ انسان کو دی گئی آزادی کا استعمال ہے، ورنہ اللہ کبھی مجبور اور محتاج نہیں، کوئی ذرّہ اس کے کنٹرول سے باہر نہیں، وہ امتحان کی خاطر انسانوں کی آزادی واختیار کو سلب نہیں کر لیتا۔

جس طرح دنیا کی امتحان گاہ میں ایک بچہ کو کچھ وقت کے لئے آزادی واختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ امتحان لکھے یا وقت بیکار گذارے یا کسی کو گالیاں لکھے یا اور جو چاہے لکھے یا نہ لکھے کوئی پکڑ نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ دنیا میں اچھے بُرے اعمال کرنے کی ایک مہلت و آزادی دیتا ہے تاکہ انسان اچھے بُرے اعمال اپنے اختیار سے کرے۔

اگر انسان کو اختیار و آزادی نہ ہو تو اس پر عمل کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی، انسان دوسری مخلوقات کی طرح مجبور نہیں کچھ حصہ میں آزاد ہے اور کچھ میں مجبور ہے۔

مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ انسان کے عمل کرنے کے بعد اس کے حالات کو جانتا ہے، اللہ کے علم کو قدیم نہیں مانتے، وہ سمجھتے ہیں کہ بندوں کو ہر قسم کے کام کی قدرت و

آزادی دے رکھی ہے، وہ اچھے بُرے دونوں کام کرتے ہیں، اگر بُرے کاموں کو اللہ کی طرف نسبت دی جائے تو برائی کو اللہ سے منسوب کرنا پڑے گا، لہٰذا انہوں نے اُسے علمِ قدیم نہ مانا، ان کی فکر پر بندہ خود اپنے اعمال کا خالق ہے، گویا بندوں کے اعمال خود بندہ کی مخلوق ہیں، ان کے بننے میں حق تعالیٰ کے ارادہ ومشیت کو کوئی دخل نہیں، انہوں نے اس طرح تصور کر کے تقدیر کا انکار کیا اور کر سکتے ہیں، سورۂ تکویر (۲۹) میں ہے: ''تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ رب العالمین نہ چاہے''۔

تقدیر کے غلط تصور سے انسان اپنے آپ کو مجبور محتاج سمجھتا ہے

انسانوں کو جب تقدیر کا صحیح علم نہیں ملتا تو وہ تقدیر کے اوپر ایمان رکھ کر بھی جبر کے قائل ہوتے ہیں اور گفتگو میں کہتے ہیں کہ ہم اطاعت و بندگی میں مجبور ہیں، اطاعت و بندگی کی دعوت دی جائے تو کہتے ہیں کہ مقدر میں ہو تو نیکی کریں گے ورنہ نہیں کر سکتے، سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، بندہ کو کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا، وہ فرقہ جبریہ کی تقلید کرتے ہیں، اس قسم کا عقیدہ محض الزام تراشی اور گمراہی ہے۔

جبر کا عقیدہ پوری اسلامی تعلیمات کو برباد کر دیتا ہے، خیالات اور فکر میں گمراہی پیدا کرتا ہے، آدم سے لے کر قیامت تک کی تمام سرگرمیوں کو جبر تصور کر کے بیکار سمجھتا ہے، جبر کا عقیدہ اللہ کو اور رسولوں کو جھٹلاتا ہے، اس کی وجہ سے انسان کوئی بھی نیکی اور بھلائی کے کام نہیں کر سکتا، نفس کی اطاعت میں گناہ کرنے کو اللہ کی مرضی سمجھتا ہے۔

دباؤ اور جبر کے تحت کوئی بھی اچھا کام کرنا نیکی نہیں کہلاتا، بغیر دباؤ اور جبر کے مرضی اور چاہت سے نیکی کرنا نیکی ہے، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو برائی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر کے اُسے جہنم میں نہیں ڈالتا، جو ایسا سمجھے وہ جاہل و نادان ہے، اس طرح کے عقیدہ سے عدلِ خداوندی پر تہمت لگ جائے گی، اور ذاتِ حق پر اعتراض ہو گا کہ جب بندہ مجبور ہے اور اس کو کوئی اختیار و آزادی ہی نہیں ہے تو حساب لینا گناہ پر سزا دینا یہ نعوذ باللہ ظلم اور

زیادتی ہوگی، بندہ کو مجبور رکھ کر گناہ بھی کروانا اور سزا بھی دینا یہ کونسا عدل وانصاف ہے؟ اللہ تعالیٰ ظلم ونا انصافی سے پاک ہے، اس کی کوئی صفت گناہ کروانے کی نہیں، وہ صفاتِ نقص وعیب سے پاک ہے، وہ تو اچھی اور صفاتِ حسنہ سے متصف ہے، وہ گناہ کو پسند ہی نہیں کرتا، بندوں کو گناہ سے بچانا چاہتا ہے۔

گمراہ انسان کہتے ہیں کہ اللہ کی تقدیر کے علم میں ہر چیز ہے، بندہ جو کچھ کرتا ہے اُسی علم قدیم کے طے شدہ علم سے عمل کرتا ہے، اس میں اس کے ارادہ واختیار کا کوئی دخل نہیں، لہٰذا وہ عمل کرنے میں مجبور ومحتاج ہیں۔

☆ اللہ کو علم ہونا الگ چیز ہے، جبر کرنا ایک الگ چیز ہے، بندہ اللہ کو علم ہونے کی وجہ سے مجبور نہیں ہو جاتا، انسان نہ پوری طرح آزاد ہے اور نہ پوری طرح خود مختار ہے اور نہ ہی پوری طرح مجبور ہے، اس کو اللہ نے جو آزادی دی ہے وہ ایک حد اور دائرہ میں دی ہے، جس کی وجہ سے بندہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، اگر چہ کہ ارادہ و اختیار بھی اللہ ہی کی طرف سے ملا ہے، اس لئے بندہ اپنے فعل میں آزاد اور مختار ہے مجبور نہیں، بندہ مجبور ہوتا تو انسان خود اپنی حکومت میں جیل میں ڈال کر لوگوں کو سزا نہیں دیتا۔

انسان اپنے تمام کام چاہے دین کے ہوں یا دنیا کے اپنی قدرتِ ارادہ واختیار کی وجہ سے کرتا ہے، سمیع وبصیر اختیاری نہیں مگر اس کا سننا اور دیکھنا اختیاری ہے، پردہ اور بے پردہ رہنا اختیاری ہے، حرام وحلال کھانا نہ کھانا اختیاری ہے، حق وباطل کو قبول کرنا نہ کرنا اختیاری ہے، بندہ کو جو آزادی اور اختیار حاصل ہے وہ اس کا ذاتی اور اختیاری نہیں، مگر بندہ کا عمل اختیاری ہے، عمل کرنے کی طاقت وآزادی اللہ کی طرف سے دی گئی ہے، اس لئے ہر کوئی عقل والا اس کے کام کو اس کا اختیاری فعل کہتا ہے۔

وہ بہت سے کام دل کی خواہش عقل وفہم کے ساتھ ہاتھوں، پیروں، زبان، آنکھوں اور دیگر اعضاء سے کر کے کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا ہے، یہ اقرار کیا یہ انکار کیا لیکن جب آخرت کی جزاء اور سزا کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تقدیر کے سامنے مجبور اور

بے بس ہیں، ذرا غور کیجئے اچھے بُرے کا اختیار و آزادی رکھنے کے باوجود مجبور کیسے ہیں؟ کہتے ہیں جبر سے کام کر رہے ہیں، اس طرح کی باتیں اللہ کی بندگی سے دور بھاگنے کے بہانے ہیں، جہالت اور شیطان کا دھوکہ اور گمراہی ہے۔

انسان اپنی مرضی اور چاہت سے جو کام کر سکتا ہے یا جو چھوڑ سکتا ہے وہاں تقدیر کا بہانہ بنانا بیوقوفی ہے، اس کو ارادہ و اختیار اس لئے دیا گیا کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی اپنی مرضی سے کرے، بندہ اختیاری عمل کرنے کے بعد جزا اور سزا کا مستحق ہوتا ہے، اللہ کو کسی چیز کا پہلے سے علم ہونا یا کسی چیز کا پہلے سے جاننا معلومات رکھنا ہرگز یہ نہیں بن سکتا کہ آپ وہ کام جبر کے تحت کر رہے ہیں اللہ کے علم اور معلومات کے مطابق جو چیز تقدیر میں طے کر دی گئی ہے وہ تو ہو کر رہے گی، اس لئے کہ وہ خالق اور علیم ہونے کے ناطے مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ کا مکمل علم رکھتا ہے۔

ایک طرف تو انسان تمام مخلوقات کی طرح محکوم ہے، اللہ کے احکام میں جکڑا ہوا ہے، مجبور ہے، دوسری طرف اپنے اعمال میں مختار و آزاد ہے، اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار ہے، اس کی زندگی میں جبر و اختیار ملا جلا ہے، نہ وہ پوری طرح آزاد ہے اور نہ پوری طرح مجبور ہے، مگر پھر بھی کچھ انسان کہتے ہیں کہ ہم عمل میں مجبور و محتاج ہیں، کوئی اختیار نہیں رکھتے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان عمل میں قادر مطلق ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

علم ایک روشنی ہے جس سے چیزوں کی اصلی حالت معلوم ہوتی ہے، وہ کوئی طاقت، پاور اور جبر و زبردستی کرنیوالی چیز نہیں، جس سے عمل پر اثر پڑے، دنیا میں استاد ہو یا ڈاکٹر اور سائنس دان اپنے علم کی روشنی میں بہت ساری آگے آنے والی باتیں بتلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو علیم ہے، علم کا منبع و خزانہ ہر طرح کا علم اسی کا ہے، اس کا علم قدیم ہے، وہ ماضی، حال اور مستقبل سب جانتا ہے، سب اس کے سامنے ہے، جس طرح اس نے ہر زمانہ کے انسانوں کے حرکات کا علم دیا، حضرت محمد ﷺ اور قرآن کے بارے میں یہود و نصاریٰ کو اڈوانس میں علم دیا، قیامت کے حالات، عذاب قبر کے حالات، سکرات کے

حالات، میدانِ حشر کے حالات، جنت و دوزخ کے حالات اور جنتی و دوزخی لوگوں کی گفتگو سب پہلے سے اڈوانس میں بتلایا، اسی طرح وہ کامیاب اور ناکام انسانوں کا بھی علم رکھتا ہے، وہ اپنے علم تقدیر سے کسی کو زور زبردستی اور جبر نہیں کرتا، آزادی واختیار دے رکھا ہے۔

بعض لوگ حسب ذیل حدیث کو لے کر مجبور اور جبر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک انسان جنت کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان میں صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے گا، پھر تقدیر الٰہی غالب آجاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے کام کرنے لگتا ہے، بالآخر وہ دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور ایک شخص اہل دوزخ کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان بس ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے گا، پھر تقدیرِ الٰہی غالب آتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے، بالآخر جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (مسلم)

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے انسانی معاشرہ پر غور کرنا ہوگا، بعض لوگ ابتدائی ایام میں غریب و نادار ہوتے ہیں، وہ نماز روزہ اور شریعت کے پابند رہ کر خود بھی سنتوں کی پابندی کرتے ہیں، ان کی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں، اسلامی تہذیب کی پابند ہوتی ہیں، جب اللہ ان کو تعلیم اور دولت، بنگلہ و موٹر سے نوازتا ہے تو آہستہ آہستہ دین سے دور ہو کر اپنی عورتوں کو فیشن میں مبتلا کر کے بے پردہ و بے حیاء بنا کر خود نمازوں سے دور، داڑھی وغیرہ نکال کر ماڈرن مسلمان بن کر پھرتے ہیں، دین سے زیادہ دنیا کی چمک دمک اور محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور پھر دین بیزار بنے رہتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی ابتدائی اور جوانی کی عمر رنگ رلیوں میں گذرتی رہی، نماز، روزہ سے دور، سنتوں کا خیال نہیں، بے دینی میں زندگی گذارتے رہے، مگر یکا یک ان کی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے، وہ شراب اور فحش کاموں سے توبہ کر کے پوری طرح دین میں داخل ہو جاتے ہیں، زندگی بھر فسق و فجور میں شرکیہ اعمال اور شرکیہ عقائد، بدعات و خرافات اور رسوم و رواج میں مبتلا رہتے ہیں، مگر گمراہی سے فوراً ہدایت کی طرف

پوری طرح آجاتے ہیں، ان کو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی فکر لگ جاتی ہے۔

کسی کا حال یہ ہے کہ اچھائی سے خرابی کی طرف اور کسی کا حال یہ ہے کہ خرابی سے اچھائی کی طرف آجاتے ہیں، یہ دونوں حالتیں دراصل دونوں انسانوں کی چاہت، تڑپ اور کمزوری کو ظاہر کر رہی ہیں کہ ایک دینداری (بلندی) سے دنیا پرستی (پستی) کی طرف دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگیا، دوسرا دنیا داری (پستی) سے دینداری (بلندی) اور اللہ کی محبت میں گرفتار ہوگیا، ایک نے آخر کار دنیا چاہی اور دوسرے نے آخر کار دین چاہا، اللہ اسی کی توفیق انہیں عطا فرماتا ہے۔

جو لوگ عمل کرنے میں اپنے آپ کو مجبور ومحتاج کہتے ہیں وہ گویا جھوٹ بولتے اور اپنے آپ کو جھٹلاتے ہیں اور جو اپنے آپ کو عمل کرنے میں قادر مطلق کہتے ہیں، گویا وہ خدائی دعویٰ کر کے اپنے کو ہزاروں اعمال کا خالق بنا رہے ہیں، اس سے وہ انسانوں کو ارادہ و اختیار کے خالق، قوت کے خالق، سوچ سمجھ کے خالق بتلا رہے ہیں، اللہ کے علاوہ انسان کو بھی خالق مان رہے ہیں۔

انسان کونسے اعمال میں مجبور اور کونسے اعمال میں آزاد ومختار ہے؟

تقدیر پر مضبوط عقیدہ رکھنے کے لئے انسان کو یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کونسے اعمال میں مجبور ہے اور کونسے اعمال میں آزاد اور مختار ہے، انسان اور دوسری مخلوقات میں فرق ہے، انسان عقل بھی رکھتا ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، شر اور خیر آسانی سے سمجھ سکتا ہے، آزادی، علم، قدرت اور ارادہ بھی رکھتا ہے، اسی بنیاد پر وہ یا تو اللہ کی اطاعت کر سکتا ہے یا نافرمانی بھی کر سکتا ہے، اپنے صحیح اور غلط عمل کی وجہ سے وہ جنتی یا جہنمی بن سکتا ہے، وہ درخت، پتھر اور پہاڑ کی طرح مجبور ومحتاج نہیں ہے اور نہ ہی جانوروں اور نباتات کی طرح اختیار سے محروم ہے۔

جب اللہ نے انسان میں شر اور خیر رکھا ہے تو اس کو اختیار و آزادی بھی دینا ضروری

تھا، بغیر اس کے امتحان نہیں لیا جاسکتا تھا، یہ اختیار اس کا حق تھا، جتنا اختیار اور آزادی اُسے دی گئی اسی کے متعلق وہ ذمہ دار ہوگا اور اسی کے متعلق سوال کیا جائے گا، اسی پر سزا اور جزا ہوگی، امتحان کے لئے کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، انسانوں میں بہت سے انسان اپنے آپ پر قابو پا کر اپنے ارادہ و آزادی کا صحیح استعمال کرتے اور بہت سے انسان نفس کی اطاعت میں شیطان کا ساتھ دے کر ارادہ و آزادی کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

انسان کا اختیار و ارادہ جب اچھا یا بُرا کام چاہتا ہے تو اندر اگر ایمان صحیح ہو تو عمل صالح کرسکتا ہے اور اگر ایمان نہ ہو یا غلط ہو تو اعمالِ رذیلہ، گناہ اور نافرمانی کرتا ہے، اسی اختیار کی وجہ سے وہ آخرت میں یا تو جزا پائے گا یا سزا پائے گا، اس کے اختیاری عمل کرنے میں اللہ ذمہ دار نہیں، اس لئے اُسے اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ وہ کونسے اعمال میں اختیار رکھتا ہے اور کونسے اعمال میں اختیار نہیں رکھتا، مثلاً:

ٹی وی پر اچھی اور بُری دونوں چیزیں آتی ہیں، اللہ نے انسان کو آنکھیں اور کان دئے اور ان میں دیکھنے اور سننے کی طاقت بھی اللہ ہی نے دی، اب انسان کو اختیار و آزادی ہے کہ وہ چاہے تو اپنی آنکھوں اور کانوں کا استعمال اللہ کی مرضی پر کرے یا اپنی مرضی پر کرے، ٹی وی خرید کر لانا اور ٹی وی کا بٹن دبانا اور اس کا چینل بدلنا انسان کے اختیار اور ہاتھ میں ہے، ٹی وی پر بلو فلمیں دیکھنا، ناچ گانا دیکھنا انسان کے اختیار میں ہے، اللہ ہم کو ان چیزوں کے دیکھنے میں نہ زبردستی کرتا ہے اور نہ مجبور کرتا ہے، انسان ٹی وی پر غلط چیزیں دیکھ کر ٹی وی کے بنانے والے کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا، یا حکومت کو ذمہ داری نہیں ٹھہرا سکتا کہ آخر انہوں نے ان چیزوں کو ٹی وی میں کیوں رکھا، یا حکومت نے ٹی وی چلنے کا کنکشن کیوں دیا؟ ٹی وی میں غلط اور گندی چیزیں دیکھنے کا بنانے والے نے طریقہ کیوں رکھا، ٹی وی سے اچھی بُری چیزیں دیکھنے کا انسان خود ذمہ دار ہے۔

☆ اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر کیڑوں کو مارنے زہریلی دوائیاں تیار کیا، اس میں یہ اثر

رکھا کہ کوئی جاندار کھائے تو اس کے جسم میں زہر پھیل جائے گا، ڈاکٹر نے انسانوں کو اس سے آگاہ بھی کر دیا، اس کے باوجود انسان دوائیں مزے دار اور لذت والی ہونے کی وجہ سے جان بوجھ کر مزے کی خاطر کھائے اور پھر ڈاکٹر کو الزام دے کہ اس میں یہ سب اثرات اور مزے کیوں رکھے؟ تو ڈاکٹر ذمہ دار نہیں ہوگا، انسان ہی ذمہ دار ہوگا، اس لئے کہ اس دوا کے کھانے میں جان بوجھ کر انسان کی مرضی اور چاہت داخل ہے۔

☆ گیہوں اور انگور کو اللہ نے غذائیں بنایا، مگر انسان ان سے اپنے مزے اور نشہ کی خاطر شراب بناتا ہے، اللہ نے دنیا کے بہت سے حرام کاموں، گناہ کے کاموں میں امتحان کی خاطر مزہ اور لذت رکھی، دنیا کی چمک دمک امتحان کی خاطر رکھی اور نیکیوں میں تکلیف اور مشکلات امتحان کی خاطر تقدیر کے ذریعہ رکھا، انسان جان بوجھ کر اپنی پسند اور چاہت سے نیکیوں کو چھوڑ کر گناہوں والی زندگی کو اختیار کرتا ہے، اس کے نفس کو گناہوں میں بہت مزہ آتا ہے، انسان اچھا بُرا عمل جبر سے نہیں خواہش اور ارادے سے کرتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرتا ہے اور یہ بھی احساس رکھتا ہے کہ وہ جو کام اپنے اختیار و ارادہ کی آزادی سے کرتا ہے اس کے لئے وہ خود ذمہ دار ہے۔

انسان کو مرد اور عورت بننے میں اختیار نہیں، کالا اور گورا بننے میں اختیار نہیں، دل دھڑکنا، دورانِ خون کا درست ہونا، بھوک و پیاس کا لگنا، سانس کا اندر باہر لینا، نیند لینے، اولاد حاصل کرنے، لڑکا یا لڑکی لینے میں اختیار نہیں رکھتا، اولاد حاصل کرنے، موت، حیات، بیماری و تندرستی، شفا اور اعضاء میں قوت پیدا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

انسان مکمل مجبور و محتاج بھی نہیں اور مکمل آزاد و مختار بھی نہیں، وہ درخت اور پودوں کے بیج زمین میں ڈالنے میں آزاد ہے، کمانے و خرچ کرنے میں آزاد ہے، شہوت پوری کرنے میں آزاد ہے، غذاؤں و مشروبات کے استعمال میں آزاد ہے، اعضا کے استعمال میں آزاد ہے، اللہ کی فرمانبرداری و نافرمانی میں آزاد ہے، اللہ کو ماننے نہ ماننے میں آزاد ہے وغیرہ وغیرہ، یعنی وہ اپنے اختیار سے اعمال کرنے میں آزاد ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے

ایک خاص حد تک آزادی دے رکھی ہے، یعنی جبر اور اختیار کے درمیان میں ہے، نہ عمل کرنے میں مکمل مجبور محتاج ہےاور نہ مکمل اختیار میں آزاد ہے، بہت سارے اعمال اختیار و ارادہ اور چاہت و پسند سے کرتا ہے اور بہت سارے اعمال میں مجبور بھی ہے، مثلاً اپنی مرضی اور پسند سے جو چاہے کھا پی سکتا ہے، چاہے تو حلال غذا کھائے یا حرام غذا کھائے، چاہے تو میووں کا رس پی لے، چاہے تو شراب پیئے یا زہر کھالے، یہ اس کے اختیار اور مرضی پر ہے، غذاؤں اور مشروبات کو یا ناپاک چیزوں کو ہاتھ میں لے کر منہ میں ڈالنا انسان کے اختیار میں ہے، مگران غذاؤں کو پیٹ میں جانے کے بعد ہضم کروانا اوران کی توانائی یا نقصان کو پورے جسم میں تقسیم کروانا انسان کے اختیار میں نہیں، اس میں وہ مجبور محتاج ہے، اللہ اپنی قدرت سے ہضم کرواکر پورے جسم میں ان کی توانائی یا نقصان کو تقسیم کرواتا ہے، حرام وحلال غذاؤں کا استعمال انسان کا اختیاری عمل ہے، اس کا حساب لیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے علم سے زبردستی اس کو حرام وحلال کھانے پر مجبور نہیں کرتا، مگر وہ علیم ہونے کے ناطے جانتا ہے کہ بندہ کس چیز کو کھائے گا اور کس چیز کو پسند کرے گا، حرام سے محبت کرے گا یا حلال سے۔

اسی طرح اللہ نے انسانوں کو شہوت پورا کرنے کی طاقت عطا فرمائی اور اختیار و آزادی دیدی کہ وہ شہوت کو یا تو نکاح یا زنا سے پوری کرے، یہ انسان کا اختیاری عمل ہوگا، اس کی پوچھ ہوگی، مگر اللہ اپنے علم سے کسی انسان کو زبردستی شہوت پوری کرنے کے لئے نہ زنا کرواتا ہےاور نہ جبر سے نکاح سے پوری کرواتا ہے، بندہ کی پسند پر اُسی کی توفیق دیتا ہے جو وہ چاہے، شہوت پوری کرنے میں انسان کو مکمل آزاد رکھا ہے، اس میں اس کی مرضی کو دخل ہے، البتہ شہوت پوری ہونے کے بعد حمل کا ٹھہرانا یا اولاد کا دینا نہ دینا انسان کے اختیار میں نہیں، حمل کو ٹھہرانا اور اولاد کا دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔

انسان کو عقل وفہم، سوچنے سمجھنے اور زبان میں بات کرنے کی طاقت دینا، یہ انسان کے اختیار میں نہیں، اللہ کے اختیار میں ہے، بعض انسانوں کو اللہ اندھا، گونگا اور پاگل بھی

رکھتا ہے، انسان کو اللہ نے عقل وفہم دے کر اور زبان دے کر اپنی پسند سے حق کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی آزادی واختیار دیا ہے، ایمان قبول کرنے کے بعد پانچ وقت کی نماز پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار دیا ہے، مسلمان بننے کے بعد پردہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنے نہ بولنے، سچ بولنے کا اختیار دیا ہے، فحش بکنے یا نہ بکنے کا اختیار دیا، ایمانداری کرنے یا دھوکہ دینے کا اختیار دیا، روزہ رکھنے نہ رکھنے، حج کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا، کپڑے پہننے یا نیم برہنہ یا ننگا پھرنے کا اختیار دیا، رشوت، سود اور حرام کھانے نہ کھانے کا اختیار دیا، ایماندار رہنے نہ رہنے کا اختیار دیا، توحید اختیار کرنے یا شرک کرنے کی آزادی واختیار دیا ہے، یہ تمام اعمال انسان کے اختیاری اعمال کہلاتے ہیں، ان کے تعلق سے مرنے کے بعد حساب لیا جائے گا، پوچھ ہوگی، مگر اللہ اپنے علم سے کسی کو زبردستی جبر سے اسلام پر اور ایمان پر نہیں چلاتا، مگر وہ علیم ہونے کے ناطے جانتا ہے کہ کونسا انسان ایمان قبول کرے گا اور کونسا انکار کرے گا، کون فرمانبردار رہے گا اور کون نافرمان ہوگا، کون اسلام کو پسند کرے گا اور کون نافرمانی وبغاوت کو پسند کرے گا۔

انسان بہت سارے کام ارادہ واختیار سے کرتا ہے اور بہت سارے کام نہیں کرتا، ارادہ واختیار ہی کی بنیاد پر اس میں اچھے یا بُرے اعمال کا ظہور ہوتا ہے، انسان کی مثال کسان جیسی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام، یہ جملہ کہہ کر کوئی خاموش نہیں بیٹھتا، کسی کی بھی قسمت کا رزق پکا پکایا آسمان سے نہیں ٹپکتا، انسان کو اپنے مقدر کا رزق، نوکری، تجارت، محنت ومزدوری اور کاروبار کر کے حاصل کرنا پڑتا ہے، غلہ، ترکاریاں، اناج حاصل کرنے کے لئے کسان کو زمین زرخیز کرنا، ہل چلانا، نرم کرنا اور طاقتور بنانے کھاد وغیرہ ڈالنا پڑتا ہے، پھر جو چیز چاہئے اس کا بیج زمین میں بونا پڑتا ہے، یہاں تک اللہ نے انسان کو اختیار دیا، مقدر کا رزق حاصل کرنے اس کو اس طرح محنت کرنا پڑتا ہے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سوتا رہے تو سارے انسان بھوکے مر جائیں گے، محنت کرنے کے بعد ہی مقدر کا رزق اور کمائی ملتی ہے، بغیر محنت کے رزق نہیں ملتا، اس

لئے کہ دنیا دار الاسباب ہے، پھر بیج بونے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسا کر بیج سے مولکا نکالتا ہے اور پھر سورج کی روشنی، ہوا اور پانی سے پرورش کر کے پودا اور درخت بنا کر پتے، ڈالیاں، پھول اور پھل نکالتا ہے، یہ ساری چیزیں گویا بیج کی دوسری شکل ہے، بیج پرورش پا کر یہ شکل اختیار کرتا ہے، بیج کی تقدیر میں یہ پودا یا درخت چھپا ہوا تھا جو محنت کرنے کے بعد ظاہر ہوا، یہ سارا عمل کرنے میں انسان کو اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، بیج سے درخت نکالنے میں انسان مجبور ومحتاج ہے۔

اگر انسان دولت کی لالچ اور مزے کی خاطر غلہ کی جگہ ہیروئن کی فصل حاصل کرنے اور اس کے بیج بوئے تو یہ انسان کا اختیار وآزادی ہے، اس میں اللہ جبر وزبردستی نہیں کرتا، اسی طرح گیہوں اور انگور حاصل کر کے ان سے مزے اور دولت کی خاطر شراب تیار کرے تو یہ بھی انسان کا اختیاری عمل ہے، اللہ نے انسان کو ان غذاؤں کی شکلیں بدل کر اختیار کرنے کی آزادی دے رکھی ہے، اب اگر انسان اپنے بچاؤ اور دفاع کرنے کے لئے یہ کہہ کر ہیروئن کے بیج سے فصل اللہ نے اُگایا ہے، اسی سے افیون ہیروئن نکالا، گیہوں اور انگور کی شکل بدل کر شراب بنانے کا طریقہ اسی نے رکھا ہے، اس لئے میں اس میں ذمہ دار نہیں ہوں، یا اگر وہ کسی سے جھگڑا کر کے اس کو گیاس کا تیل یا پٹرول ڈال کر آگ لگا دے اور پھر کہے کہ تیل اور پٹرول میں آگ پیدا ہونے کی طاقت اللہ نے رکھی ہے، میں جلانے کا ذمہ دار نہیں ہوں، میں تو مجبور ہوں، اس طرح سوچنا بیوقوفی اور پاگل پن ہے، اس طرح دلیل دے کر بچا نہیں جا سکتا۔

اللہ نے قرآن مجید میں گناہ کے تمام کاموں کو، مثلاً: شرک، کفر، جھوٹ، چوری، حرام کھانے پینے، فحش وبے حیائی، فضول خرچی، زنا، شراب، جوا، منافقانہ حرکتیں، دھوکہ، ناانصافی، ظلم، فساد، قتل جیسے اعمال رذیلہ کو بندوں کی کمائی اور کسب کہا ہے، اس میں شک نہیں کہ بندہ کا ہر عمل اللہ کے علم، مرضی اور مشیت سے صادر ہوتا ہے، مگر چونکہ اللہ نے بندہ کو اچھے اور بُرے اعمال کرنے کی آزادی واختیار دیا ہے، بندہ نے اپنی مرضی وچاہت سے اس

آزادی واختیار کا غلط استعمال کر کے گناہ کو پسند کیا، گناہ کے راستہ پر چلا اور بُرا عمل کر کے گناہ کمایا، اس لئے وہ اس کی کمائی اور کسب ہوگا، اللہ کی دی ہوئی قوت کا غلط استعمال کر کے خود بندہ نے آزادی اور چاہت سے اس گناہ کو کمایا۔

اللہ نے تقدیر کے ذریعہ انسان کو شر وخیر کی طاقت وآزادی امتحان کے لئے دے کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ انسان اپنے اختیاری اعمال سے نیکی کرتا ہے یا بدی اختیار کرتا ہے، جس طرح اس نے کسان کو افیون، ہیروئین، گانجہ یا غلہ کا بیج بونے کا اختیار دیا، اگر وہ ببول، افیون اور گانجہ کا بیج بوئے تو کانٹے دار درخت، افیون اور گانجہ ہی نکلے گا، غلہ اناج کا بیج بوئے گا تو غلہ حاصل کرے گا۔

اسی طرح وہ اپنی پسند سے نیکی یا بدی کرے تو وہ نیکی اور بدی کے بیج سے بننے والے درخت کی شکل جنت کی نعمتوں یا جہنم کے سانپ، بچھو اور آگ ہوگی، اس لئے وہ انسان کا کسب ہوگا، اللہ نہ کسی سے گناہ کرواتا ہے اور نہ گناہ کو پسند کرتا ہے اور نہ گناہ کے کاموں سے راضی اور خوش ہوتا ہے، جس طرح اس نے شیطان کو بھٹکانے کی اجازت دی، مگر وہ شیطان کے اس عمل سے راضی نہیں، اسی طرح اس نے انسان کو گناہ کرنے کی طاقت وآزادی دی مگر انسان کے گناہ کے کام سے وہ راضی نہیں ہوتا، اسی لئے گناہ کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے، یہ الزام اور بے ادبی ہے۔

آزادی واختیار رکھ کر مجبور اور محتاج کہنا گویا جھوٹ بولنا اور اپنے آپ کو فریب دینا ہے، اللہ نیکی کو پسند کرتا ہے، نیک کاموں سے خوش ہوتا ہے، اور نیکی کرنے والوں کی مدد کرتا ہے اور ان پر رحمت نازل کرتا ہے، رحمت کے فرشتوں کو ان کے ساتھ رکھتا ہے، اس لئے نیکی کو اللہ سے منسوب کرنا ادب ہے۔

انسان اپنے بہت سے اعمال میں مختار وآزاد ہے، اور اپنے اعمال کا ذمہ دار بھی ہے اور اپنے اعمال کا جوابدہ بھی ہے، جس طرح انسان کو اختیاری اعمال پر دنیا میں سزا ملتی ہے اسی طرح آخرت میں جزا اور سزا انسان کے کسب پر ہوگی، انسان جب چوری یا زنا کرتا ہے

تو اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ تقدیر میں چوری اور زنا اس کے مقدر میں لکھی ہے، مگر زنا اور چوری کو عقل سے گناہ اور برائی جانتا تھا، وہ یہ اعمال اپنی پسند اور چاہت سے کرتا ہے، کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں نے تقدیر کی مجبوری کی وجہ سے چوری کی، تقدیر کی وجہ سے مجبور ہو کر زنا کیا، بلکہ اچھا بُرا ہر کام چاہت، پسند، خواہش اور محنت و مشقت سے کرتا ہے، کوئی بھی تقدیر کی مجبوری سمجھ کر نہیں کرتا، مگر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں تقدیر کا سہارا لیتا ہے، اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ کوئی بھی انسان تقدیر کی وجہ سے گناہ نہیں کرتا، گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے گناہ کرتا ہے، مگر گناہ اور بُرے کام کر کے اللہ کی نافرمانی کر کے تقدیر کو ذمہ دار بناتا ہے۔

اللہ انسان کے ارادہ واختیار کے لحاظ سے مدد کرتا ہے

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۔ ﴿الرعد:١١﴾

ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کئے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں جو
اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۔ ﴿الرعد:١١﴾

اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ ﴿عنکبوت:٦٩﴾

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم راستے دکھائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۔ ﴿محمد:١٧﴾

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے
اور انہیں ان کے حصہ کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔

دنیا امتحان کی جگہ ہونے کی وجہ سے اللہ اپنے علم تقدیر کے ذریعہ کسی بندہ کے عمل میں مداخلت نہیں کرتا، وہ بندہ کے ارادہ واختیار کے مطابق راستے ہموار کر دیتا ہے اور بعض حالات میں بندہ کو اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے سے روک بھی دیتا ہے، یہ اس کی مشیت ہوتی ہے۔

چونکہ یہ کائنات اللہ کی ہے اور ہر چیز پر اس کا تصرف ہونا ضروری ہے اس لئے نیکی اور بدی کے کام کرنے میں اللہ کی مشیت و مرضی ہونا بھی ضروری ہے، تب ہی بندہ اپنے عمل میں کامیاب ہوسکتا ہے، مگر اللہ نے اپنی مشیت ہی سے عمل کرنے کا ارادہ واختیار بندے کی چاہت اور مرضی پر رکھا، مثلاً انسان چاہت، پسند اور خواہش سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا ارادہ کرتا ہے، اللہ اس کی پسند پر اس کی مدد کے لئے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی توفیق سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ادا کر لیتا ہے، اس کے لئے ان راستوں کی آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

مسلمان رمضان میں سب کے سب روزے رکھنے کی چاہت اور خواہش رکھتے ہیں، اس میں سب سے بڑا دخل ان کی پسند، مرضی اور اختیار کا ہوتا ہے، وہ سخت گرمی، دن بڑا ہونے کے باوجود اپنے اختیار سے روزہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے لئے سرکش شیاطین کو بند کر دیتا ہے، اور ان کی خواہش پر توفیق عطا کر کے فرشتوں کو ان کے ساتھ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے رمضان میں ہر کوئی پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرتا ہے، مگر رمضان ختم ہوتے ہی نماز کی پابندی کا ذہن ہی نہیں رکھتے، صرف جمعہ کی نماز کا ذہن بنا کر رکھتے ہیں اور جمعہ کے دن بڑے اہتمام سے صرف ایک وقت کی نماز ادا کر لیتے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ وہ رمضان کی طرح پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کا ذہن اور چاہت ہی نہیں رکھتے، اور اپنے اختیار و آزادی سے ترکِ نماز کرتے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ جب وہ نماز پڑھنے کا ذہن بناتے اور ارادہ رکھتے ہیں تو اللہ ان کی مدد کرتا ہے اور جب نہیں پڑھنا چاہتے ہیں تو اللہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، جبر اور زبردستی سے نماز نہیں پڑھاتا ہے، اس سے شیطان ان پر غلبہ پاتا ہے، اسی طرح جب انسان بے پردہ پھرنے، جوڑے کی رقمیں لینے، فحش بکنے، زنا، شراب، جوا، رشوت، سود یا حرام مال کھانے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور حلال استعمال کرنا نہیں چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پسند اور چاہت پر حلال چیزوں کی توفیق نہ دے کر حرام چیزیں استعمال کرنے کی توفیق دے دیتا

ہے، غرض جب بندہ نیکی کے راستہ کو چاہے گا یا ضمیر کی آواز کے خلاف باطل کو پسند کرے گا اور نیکی سے نفرت کرے گا تو اللہ بندہ کو آزادی واختیار دینے کی وجہ سے جس راستہ کو چاہے گا اسی پر چلنے کی توفیق دیتا ہے، جس طرح دنیا کے امتحان میں استاد شریر، آوارہ، کُند ذہن بچوں اور تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے بچوں کو امتحان میں بیٹھنے، پن پنسل، کاغذ، کرسی، ٹیبل اور وقت کی مہلت سب کچھ دیتا اور امتحان لیتا ہے، مگر وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں لڑکے فیل ہونے والے ہیں، جوابات غلط لکھنے والے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر انسان سے اچھی طرح واقف ہے کہ کون فرمانبرداری کرے گا اور کون نافرمانی۔

ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال کا وقت دن اور مقام سب اس کو معلوم ہے، کہ کونسا انسان اپنی چاہت اور پسند سے فلاں عمل کس وقت، کہاں، کیسے اور کس ارادہ سے کرے گا، اللہ کو بحیثیت علیم اور خالق ہونے کے یہ سب معلوم ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ علم نہ رکھتا اور اس کو اپنی مخلوقات کا پورا پورا علم نہ ہوتا تو اس کی مرضی کے بغیر دنیا میں کوئی بھی کسی کا قتل کرڈالتا، کسی عورت کی عصمت لوٹ لیتا، کسی کی دولت لوٹ لیتا، کسی کو ایمان اور اسلام پر چلنے نہیں دیتا، کوئی نماز پڑھنا چاہے، حج کرنا چاہے تو شیطان اور نافرمان لوگ اس کو عبادت کرنے نہیں دیتے، اسی لئے اللہ نے شیطان کو اجازت دیتے وقت فرمایا کہ میرے فرمانبردار بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا، اس لئے اچھے اور برے اعمال میں اللہ کو علم ہونا اور اس کی مرضی ومشیت ہونا ضروری ہے، ورنہ دنیا فساد کے حوالے ہوجاتی اور دنیا میں انسانوں اور شیطانوں ہی کا راج ہوتا، اللہ کی حکومت اندھیر نگری چوپٹ راج کی طرح ہوجاتی، ہر طرف اللہ کی مرضی کے بغیر اللہ کے علم کے بغیر مخلوق عمل کرتی، موسم وقت پر نہ آتے، سورج وقت پر نہ نکلتا، درختوں اور پودوں سے وقت پر غلہ اور اناج نہ نکلتا، ساری کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر اللہ کا کنٹرول ہے، انسانوں کے اعمالِ بد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ بارش روکتے، بیماریاں آتیں، زلزلے اور طوفان آتے، کافروں اور مشرکین کو ان کی بداعمالیوں پر پکڑا بھی جاتا ہے، کسی کو حکومت ملتی اور کسی سے حکومت چھینی بھی جاتی ہے۔

تمام مخلوقات اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتیں!

کائنات میں ایک پتہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر حرکت بھی نہیں کرسکتا، اسی طرح انسان بھی اچھے برے تمام کاموں میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آزاد نہیں ہوسکتے کہ وہ دنیا کے اس امتحان میں جو جی چاہے کرتا پھرے، ہر کام کرنے میں اللہ کی مرضی، اجازت اور توفیق ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ شیطان بھی اللہ سے اجازت اور مہلت مانگ کر آیا ہے کہ وہ اس کے بندوں کو ناشکرا ثابت کرے گا، بھٹکانے کی اجازت لے کر آیا ہے، اللہ نے اس کو مہلت اور اجازت تو دیدی لیکن اللہ کی رضا اس کے ساتھ نہیں، مگر وہ اپنے ہر کام میں کامیاب نہیں ہوسکتا، نہ انسانوں سے ہر بُرا کام کرواسکتا ہے۔

اللہ نے انسانوں کو امتحان کے لئے ایک حد تک محدود دائرہ میں آزادی دی ہے، اگر انسان چاہے کہ ایک پیر اٹھائے تو اللہ اس کو ایک پیر اٹھانے کی توفیق اور قوت دیتا ہے، مگر وہ پرندوں کی طرح دونوں پیر اٹھا کر ہوا میں کھڑا نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح انسان اپنی مرضی سے جب چاہے کسی کا قتل، کسی کی عصمت، کسی کی عزت، کسی کی دولت، کسی کا گھر لوٹ نہیں سکتا، اور نہ کسی کو مدد، سہارا، راحت دے سکتا ہے، جب تک انسان کے عمل کرنے میں اللہ کی مرضی ومشیت اور اجازت شامل نہ ہو اور تقدیر میں لکھا نہ ہو، دنیا میں بہت سے ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ انسان چوری کرنا چاہتا ہے، قتل وفساد کرنا چاہتا ہے، خودکشی کرنا چاہتا ہے، کسی کی دولت لوٹنا چاہتا ہے، مگر ناکام ہوجاتا ہے، اگر انسان پوری طرح آزاد ومختار ہوتا تو کوئی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہتی، کسی دولتمند کی دولت محفوظ نہ رہتی، کسی کو ایمان پر باقی رہنے نہیں دیا جاتا۔

دنیا کی اس امتحان گاہ میں جو انسان جس کام کو پسند کرے اور کرنا چاہے تو اس کے لئے اللہ کی طرف سے راستوں کو آسان کرنا ضروری ہے، ورنہ امتحان نہیں لیا جاسکتا، سورۃ اللیل (۴،۵) میں ہے: جس نے راہِ خدا میں مال دیا اور اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کیا اور

بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے، جس نے بخل کیا اور اپنے خدا سے بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستہ کے لئے سہولت دیں گے۔

چور چوری کرنے میں، قاتل قتل کرنے میں، زانی زنا کرنے میں اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ راستہ کی تمام رُکاوٹیں اللہ تعالیٰ ہٹا دیں اور تقدیر میں لکھا ہوا ہو تب ہی کوئی انسان گناہ میں کامیاب ہوسکتا ہے یا نیکیوں میں کامیاب ہوسکتا ہے اور تب ہی امتحان لیا جاسکتا ہے، سورۂ کہف میں خاص طور پر یہ تعلیم دی گئی کہ وعدہ کرنے میں **ان شاء اللّٰہ** کہا کرو، جب تک اللہ نہ چاہے ہم کوئی کام نہیں کرسکتے۔

انسان کو اللہ نے جب دنیا میں امتحان کے لئے بھیجا ہے تو ان کے ساتھ فرشتے اور شیطان بھی رکھے ہیں، انسان اچھے عمل کا ارادہ کرے یا اعمالِ صالحہ کرنا چاہے تو شیطان شکست کھا جاتا ہے اور فرشتے اس انسان پر غالب رہتے ہیں، اس کو اللہ کے حکم سے نیک اعمال کرنے میں مدد کرتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی راہوں میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔

اگر کوئی بُرا عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، عقل وشعور رکھنے کے باوجود ضمیر کی آواز کے خلاف چلنا چاہتا ہے، برائی کو برائی جان کر پسند سے اس برائی اور گناہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو تقدیر کے لکھے میں اللہ کی مشیت اور اجازت بھی ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ اپنی برائی کے عمل میں کامیاب نہیں ہوسکتا، چونکہ دنیا اچھے بُرے عمل کے امتحان کی جگہ ہونے کی وجہ سے انسان کی پسند اور چاہت پر رحمت کے فرشتوں کو اس کے پاس سے ہٹا لیا جاتا ہے، جیسے ہی فرشتے ہٹتے ہیں شیطان غالب آجاتا ہے اور برائی کے طریقے سکھاتا ہے، اسی صورت میں انسان کو برائی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کے راستوں کی تمام رُکاوٹیں بھی اللہ دور کردیتا ہے، جو امتحان کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور وہ انسان برائی کی توفیق سے گناہ کرتا ہے، فرشتے نیکی میں مدد کرتے ہیں اور شیطان برائی چاہنے والوں کی برائی میں مدد کرتا ہے، ان دونوں کی کشمکش کا دارومدار انسان کے ارادہ، اختیار اور پسند پر ہوتا ہے۔

جیسا ارادہ بنے گا، اگر ایمان نہ ہو یا کمزور ہو تو ویسا ہی عمل انسان کرے گا، ورنہ دنیا

کا نظام انسانی حکومتوں کی طرح اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں کہ انسان خدا کی مرضی اور منصوبے کے خلاف جو چاہے کرتا پھرے، انسان کو آزادی ضروری ہے مگر ایک محدود دائرہ کے اندر آزادی واختیار دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنی اس آزادی کا استعمال صحیح بھی کرسکتا ہے اور غلط بھی کرسکتا ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے عمل کرنے میں تقدیر کے تحت اللہ کی مرضی اور مشیت بھی شامل ہونا ضروری ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اسلام کو دنیا میں غالب کرنا اور باقی رکھنا چاہتا ہے، غیر مسلم اس کو مٹانا اور ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ کامیاب نہیں ہوسکتے، البتہ وہ اپنی کوششوں سے اسلام کو مٹانے میں کوشش کر کے گناہ کماتے ہیں، اللہ ان کو مٹانے کی کھلی چھوٹ اور آزادی دے کر بھی اسلام کی حفاظت کرتا ہے، وہ اپنی چاہت سے بُرا عمل کر کے جہنم والے راستے پر چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں اسلام کا پیغام مکمل کرنے بھیجا، مکہ کے مشرکین نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، مکہ کی زمین تنگ کردی، تقدیر کے تحت اللہ کی مرضی اور مشیت رسول اللہ ﷺ کو اپنا کام مکمل کرنے تک باقی رکھنے کی تھی، مشرک اپنی آزادی اور اختیار سے باطل کو پسند کر کے قتل کے ارادہ سے اکٹھا ہو کر بھی کامیاب نہ ہوسکے، مگر اپنے بُرے اعمال یعنی منہ کالا کر کے گناہ کما کر چلے گئے، رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے دین کو غلبہ عطا فرمادیا۔

ایک بزرگ ہمیشہ کہتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے، ایک آوارہ نوجوان ان کے سر پر پتھر مارا جس سے بزرگ کا سر پھوٹ گیا، بزرگ پلٹ کر اس کو دیکھے، نوجوان نے فوراً کہا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے چاہنے سے ہی ہوتا ہے، بزرگ نے کہا بے شک مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ استعمال کون ہوا اور منہ کس کا کالا ہوا، کس نے برائی اور گناہ کمایا۔

خیر اور شر کی حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں

دنیا چونکہ امتحان کی جگہ بنائی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خیر و شر امتحان کے لئے رکھا ہے، خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، شر کی وجہ سے خیر کی تمیز ہوتی ہے، انسان کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ شر کو سمجھ کر خیر اختیار کرے اور آخرت میں ترقی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ باوجود خیر و شر کا خالق ہونے کے خیر سے راضی اور شر سے ناراض ہوتا ہے، شر کی وجہ سے اس کی صفت جلال ظاہر ہوتی ہے، اگر خیر کے ساتھ شر پیدا نہ ہوتا تو انسان فرشتہ یا حیوان بن جاتا، اس لئے کہ ان کو شر کی طاقت نہیں، حیوان اور فرشتے دونوں بھی انسان سے کمتر ہیں، شر سے بچنے ہی کی وجہ سے انسان کو اعلیٰ مقام اور درجات حاصل کرنے کے موقعے حاصل ہیں، وہ خیر اختیار کر کے فرشتوں سے افضل بن سکتا ہے، انسان شر اور خیر کی آزادی رکھ کر اپنے اختیار اور پسند سے نیکی پر چل کر متقی بن جاتا ہے، دوسری کسی بھی مخلوق کو یہ آزادی حاصل نہیں۔

امتحان کی خاطر شر کو پیدا کیا گیا ہے تاکہ جو بندہ شر کو چاہتے ہوئے شر طلب کرے اس کو شر دیا جائے، اگر شر نہ ہوتا تو شر کو طلب کرنے کی طاقت و آزادی انسان کو کہاں سے ہوتی، امتحان کے لئے ضروری ہے کہ شر اور خیر رکھ کر امتحان لیا جائے اور پھر انصاف کا تقاضہ ہے کہ شر اختیار کرنے والے کو شر کا اور خیر اختیار کرنے والے کو خیر کا بدلہ دیا جائے، یہ عین انصاف و عدل ہے، خیر و شر اختیار کرنے میں بندہ کو ہی مختار بنایا گیا اور بندہ اچھے اور بُرے عمل کی قوت اسی سے حاصل کرسکتا ہے جو بندہ کی کمائی اور کسب ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ بندہ کو قوتِ عمل کی آزادی و اختیار دے کر اس سے غافل نہیں ہے، خیر کی نسبت اللہ کی طرف کریں یہی ادب کا تقاضہ ہے، اور شر کی نسبت اپنے نفس کی طرف کریں، اس لئے کہ بندہ نے شر کی تخلیق کی غرض و غایت کو غلط سمجھا اور اللہ کی اس قوت کا استعمال اپنی چاہت و پسند سے غلط کیا، اس لئے شر کو اللہ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب

ہے، اور اللہ تعالیٰ کو صرف شر کا خالق کہنا ہرگز مناسب نہیں، شر کی نسبت اپنی طرف کرنا ہوگا، عمل کی آزادی کی قوت اس لئے نہیں دی گئی کہ غلط اور گناہ کے کام کئے جائیں بلکہ شر کے ذریعہ خیر کو اجاگر کیا گیا ہے، شر کے نقصانات کو سمجھ کر اس کو چھوڑ کر خیر اختیار کرنا کمال ہے۔

بندہ جب شر کے کام کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کو غلطی اور گناہ کا بھی احساس ہوتا ہے، توبہ کرتا ہے، توبہ کی اصل حکمت یہ ہے کہ بندہ شر کو اپنی طرف منسوب کرے اور اپنا ذاتی و اختیاری عمل سمجھے، سورۃ الاعراف رکوع:٣ میں ہے: <u>یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے کہو کہ اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا، کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔</u>

اشیاء میں ذاتی طور پر نہ خیر ہے نہ شر ہے، اگر ان کا استعمال اللہ کے حکم کے مطابق صحیح کیا جائے تو خیر ہے اور نافرمانی وگناہ میں استعمال کئے جائیں تو شر ہے، مثلاً زہر نہ اچھا ہے اور نہ بُرا، اگر اس کو بیماریوں کے ختم کرنے یا زہریلے جانوروں کو مارنے استعمال کیا جائے تو خیر ہے اور کسی کو قتل کرنے میں استعمال کیا جائے تو شر ہے، کسی بھی چیز کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر اور شر دونوں پہلو ہوں شر نہیں، اس میں ان کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا شر ہے، ڈاکٹر بہت ہی بیماریوں کے لئے زہریلی دوائیں تیار کرتے ہیں؛ مگر یہ شر نہیں، البتہ اگر کوئی اللہ کا باغی شریر انسان ان دواؤں سے ان کو امراض کے علاج کے بجائے کسی کی جان لینے میں استعمال کرے تو شر ہے، گیہوں، انگور، آنکھ، کان، ناک اور تمام اعضاء کا غلط استعمال کرنا شر ہے، حاصل یہ کہ جب شر اور خیر اشیاء میں بذات خود نہیں ہے تو اچھی چیزوں کے لئے الگ اور بری چیزوں کے لئے الگ الگ خالق تسلیم کرنے کی ضرورت ہی نہیں؛ بلکہ دونوں چیزوں کا خالق صرف ایک اللہ ہی ہے۔

دنیا امتحان کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگر انسان شر کی طاقت اور آزادی و اختیار کو

گناہ میں استعمال کرنا چاہے اور گناہ کے راستہ کو پسند کرے تو دنیا کی زندگی میں اس کی چاہت پر شر اختیار کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دباؤ ڈال کر شر سے نہیں روکتا، اس لئے کہ امتحان گاہ میں امتحان کے لئے آزادی دینا ضروری ہے۔

اس لئے انسان ایمان کا عقیدہ مانتے ہوئے **شرہ و خیرہ من اللہ تعالیٰ** کہہ کر اقرار کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تعلیم الایمان
ایمان مفصل کو سمجھانے کا طریقہ

☆ بچوں اور بڑوں میں پختہ اور مضبوط ایمان پیدا کرنے کے لئے ایمان مفصل کی حسب ذیل باقی کتابیں ضرور پڑھئے اور پڑھایئے۔
☆ اللہ پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟ ☆ فرشتوں اور وحی پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟ ☆ کتابوں پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟ ☆ آخرت پر ایمان میں شعور کیسے دیں؟

☆ ان کے علاوہ کائنات میں غور وفکر کر کے اللہ کی صفات کی ذریعہ اللہ کو پہچاننے کا طریقہ جاننے کے لئے تعلیم الایمان کے تمام حصے ضرور پڑھئے اور بچوں میں شعوری اور حقیقی ایمان بنانے کی محنت کیجئے۔

☆ لڑکیوں کو شادی سے پہلے شادی کے بعد والی زندگی کا شعور دینے اور کامیاب زندگی گذارنے کے لئے ہماری کتاب ''شادی کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟'' ضرور پڑھایئے اور لڑکیوں کو مصیبت اور ناکام زندگی سے بچایئے۔